عقدالجواہر

تالیف

استاذ العلماء، شیخ الحدیث، حضرت علامہ
محمد عبدالغفور الوری

ناشر
جامعہ محمدیہ فیاض العلوم ایونڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقد الجواہر

تصنیف:

استاذ العلماء، شیخ الحدیث، حضرت علامہ

محمد عبد الغفور الوری

ناشر

دار العلوم جامعہ محمدیہ فیاض العلوم رائیونڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ==== عِقدُ الجواہر

ترتیب ==== شیخ الحدیث علّامہ محمّد عبد الغفور الوری مدظلّہ العالی

پروف ریڈنگ ==== صاحبزادہ علّامہ قاری احمد سعید آلوی (یو کے)

منتظمِ اشاعت ==== صاحبزادہ عبد الرّسول الوہی (پرسٹن یو کے)

کمپوزنگ ==== محمد صدیق ولی فریدی (عارف والا)

اشاعتِ اوّل ==== سنہ ۲۰۱۸ء

کل صفحات ==== 160

قیمت ==== 250

ناشر ==== جامعہ محمّدیہ فیاض العلوم رائیونڈ لاہور

برائے رابطہ

صاحبزادہ علّامہ قاری احمد سعید آلوی

صاحبزادہ حافظ محمد مطلوب بن مولانا فیاض محمّد مدرس شعبہ حفظ جامعہ ہٰذا

042-35390243, 0300-0851630, 0300-4857229

UK برائے رابطہ

17-Oxley Road Preston, Lancashire, (PR1-5QH) England

0044 7811808452, 0044 7772465864, 00447791543745

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	پیشِ لفظ	15
2	مومنوں پر اللہ کا اِحسانِ عظیم	17
3	سوال: روح نہ ہو تو حیات کیسی؟	19
4	اللہ کی محبت اتباعِ مصطفےٰ ﷺ میں ہے	21
5	سائنس اور اسلام کا تقابلی جائزہ	22
6	نکتہ و مثال نیند	22
7	وجودِ محبت کے لیے دلیل ضروری ہے	25
8	نکتہ	26
9	قبر والے کو نداء دینا اور قبر میں سے جواب	26
10	حضرت عیسیٰ کی روضۂ رسول پر حاضری	28
11	ندائے یا رسول اللہ کا ثبوت	29
12	الناس سے مراد تمام بنی آدم	30
13	ثبوت نداء یا رسول اللہ از حدیث	31
14	آپ کے آگے درخت اور پتھر سجدہ کرتے	33
15	سوال پتھر اور درخت کی بات کے علاوہ انسان کی بات کرو	33
16	قبر انور میں آپ کا "رَبِّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ" کہنا	34
17	سوال: جو چیز حضور ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں نہ تھی کیا وہ ناجائز؟	37
18	عرس وغیرہ کے بارے میں ایک سوال اور اسکا تحقیقی جواب	37

19	"مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ	40
20	پیدائش کے وقت ہر بچہ روتا ہے	40
21	رونے پر ایک سوال و جواب	41
22	"یُزَکِّیْهِمْ" پر نکتہ قرب و بعد کا	43
23	نبی مؤمنوں کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔	43
24	علامہ رومی نے اس پر ایک چور اور جوہری کا سفری واقعہ بیان فرمایا	43
25	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے متعلق فیصلہ	46
26	صحابی کی تعریف	46
27	اجتہادی غلطی، غلطی شمار نہیں کی جاتی	47
28	بعض لوگ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس پر سوال و جواب	48
29	"جَیْشٌ مَغْفُوْرٌ" پر سوال و جواب	48
30	مسجد نبوی میں تین دن تک اذان و جماعت کا نہ ہونا	50
31	حضرت سعید بن مسیب تابعی کا حضور کے مزارِ اقدس سے اذان و تکبیر سن کر نماز ادا کرنا	51
32	بکھرے موتی	51
33	سو کا نوٹ بھی کاغذ، ردی کا کاغذ بھی کاغذ ہے اس پر سوال و جواب	51
34	مسئلہ حاضر و ناظر (قسط اول)	52
35	شعر: اب آدمی کچھ اور ہماری نظر میں ہے۔۔۔	54
36	مسئلہ حاضر و ناظر (قسط دوم)	54
37	سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہو تو امام کیوں بنتے ہو؟	54

38	"عِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ" پرسوال وجواب	55
39	موضوع هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ	57
40	گیارہویں کا ثبوت	57
41	حضرت موسیٰ کی دعاء کے متعلق سوال وجواب	61
42	اللہ تعالیٰ نے مظہر ذات دو کیوں نہ بنائے؟	61
43	رسالت کے کام میں غلطی نہیں۔	62
44	حضور ﷺ کے منہ مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس پر سوال و جواب	63
45	نبیوں کی غلطیوں سے متعلق تو کوئی جگہ آیا ہے تو غلطیوں سے پاک کیسے؟ اس کا جواب	63
46	صحابہ کے عرض کرنے پر کہ یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے ہو یا نماز قصر کی گئی ہے؟	64
47	عیبوں سے پاک تو خدا ہی ہوتا ہے، مخلوق تو عیب سے پاک نہیں ہوتی؟ اس پر سوال وجواب	65
48	لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ"	66
49	ہمارے آخری اُمم ہونے کی وجہ؟ اور اس پر ایک مثال	67
50	"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾"	67
51	نور پر مکمل سوالات وجوابات اور تحقیق	68

52	آپ کے اندر بشریت بھی ہے لیکن بے عیب بشریت ہے کیونکہ آپ محمد ہیں اور محمد بے عیب ہوتا ہے	72
53	مثال: آم کا درخت، ومثال آئینہ	72
54	حدیث "اِذَا حَمِدَنِیْ اَحَدٌ فَاَنْتَ اَحْمَدُ۔۔۔۔"	72
55	صومِ وصال کی مثال اور اس پر اعتراض اور اُس کا جواب	73
56	خون نکلنے اور نہ نکلنے کی حقیقت	75
57	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہمارے رکوع، خشوع، خضوع پوشیدہ نہیں	75
58	دو قبر والوں کے عذاب کو ملاحظہ کرنا	75
59	عقیدہ عمل کی بنیاد ہے	76
60	کلام دو قسم ہے: کلام نفسی اور کلام لفظی	77
61	حقیقتِ ایمان	80
62	جانور پیدا ہوئے تیری وفا کے واسطے۔۔۔۔	81
53	سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دافع البلاء ہونے کا ثبوت	82
64	"اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾"	84
65	حدیث: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ	84
66	اگر اللہ والوں کو کوئی خوف نہیں تو موسیٰ علیہ السلام اژدھا سے کیوں ڈرے؟ اس پر سوال وجواب	86
67	"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾"	86
68	لڑکا اور سانپ	87
69	مثال: معرفت اور قرب وبعد اور چڑیا گھر کے جنگلہ اور شیر کی	86

70	**مثال:** تین سال کا بچہ اور سانپ کا پکڑنا بسبب عدمِ معرفت کے	87
71	اولیاء کا معنی	87
72	"یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ	87
73	انسان خدا تو نہیں مظہرِ خدا بن گیا ہے	88
74	**مثال:** جیسا کہ سورج کے سامنے صیقل شدہ شیشہ رکھ دیں تو سورج شیشہ میں نظر آئے گا۔	88
75	آئینہ شمس نہیں بنا مگر مظہرِ شمس بن گیا	88
76	اللہ تعالیٰ کے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں بننے کا مطلب؟	88
77	**مثال:** لوہے کو بھٹی میں ڈالا جائے تو آگ کی شعاعیں اس کے اندر منعکس ہو جاتی ہیں۔	90
78	"قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا" اس پر سوال وجواب	92
79	"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝۴"	92
80	"اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" پوری تفسیر، علمی نکات اور سوال وجواب	92
81	"قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ" اس پر سوال وجواب	93
82	"اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ"	93
83	حدیث "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰهُ يُعْطِیْ"	93
84	سوال: حضور ﷺ جب خازن ہیں تو خود بھوکے کیوں رہے؟ پتھر کیوں باندھے؟ صحابہ قتل ہو گئے امداد کیوں نہ کر سکے؟ حسنین کریمین تشنگی میں جان دے دی پانی کا قطرہ نہ مل سکا، بی بی عائشہ صدیقہ بیٹا لینے کے لیے مشتاق رہیں ایک بیٹا اُن کو نہ دے سکے۔ اس کا مکمل جواب	94

85	واقعہ غزوۂ خیبر	96
86	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں	96
87	"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا"	98
88	حضور کی ولادت کی خوشی سے ابولہب کے عذاب میں تخفیف	99
89	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں	101
90	نکتہ: نعمت مُنعَم علیہ کے پاس رہے تو احسان ہے	101
91	رسالت دو قسم ہے حقیقتاً و حکماً	102
92	جیسا کہ فرمان ہے "کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ"	102
93	اس پر اعتراضات وسوالات وجوابات	102
94	"اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ" اس پر سوالات وجوابات	102
95	**مثال:** سکتہ کی بیماری	103
86	**مثال:** اُستنِ حنّانہ	104
97	واقعہ ایک غسالہ عورت کی میت پر تہمت اور حدِ قذف اَسّی کوڑے	104
98	واقعہ کفن چور	105
99	"یُزَکِّیْهِمْ" اور نکتہ	107
100	لطیفہ (ایک شخص اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ)	108
101	خدا کے سوا کسی کو نہ مان	109
102	حدیثِ شفاعت "اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ وَ اَنَا لَهَا"	110
103	طلاق ثلاثہ	111
104	تلقیح ثمر یعنی پیوند لگانا	112

105	غصہ	113
106	ے اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے۔۔۔کی تشریح	114
107	تحسین یا توہین	115
108	بیان "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۷)" تفسیری نکات	115
109	آتشی شیشہ اور سیاہ کپڑا کی مثال	117
110	"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۷)" رحمت کے معانی	118
111	نکتہ بصورتِ لطیفہ	118
112	ضروری نکتہ	120
113	اعراس اور نورانی محفلوں کے انعقاد پر مفصل بیان	121
114	"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" عالم کی تین اجزاء ہیں	123
115	"هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا"	123
116	"وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط"	123
117	"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۶)" تشریح	124
118	علامہ رومی فرماتے ہیں کائنات کا ذرہ ذرہ ادراک رکھتا ہے	125
119	واقعہ حضرت سفینہ وشیر	125
120	واقعہ حضرت عمر فاروق اور زمین کو کوڑا مار کر زلزلہ ختم کرنا	126
121	واقعہ ہارون الرشید اور سیاہ رنگ لونڈی	126
122	بیان "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۷)"	128
123	سوال اور اسکا جواب: اگر رحم تھے تو ابوجہل کو حصہ کیوں نہ ملا؟	128

124	تقریر "عَبَسَ وَتَوَلّٰی" شانِ نزول اور تفسیر	129
125	"اِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"	130
126	"اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" اس پر سوال و جواب	130
127	خالق ہدایت اللہ ہے اور قاسمِ ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں	130
128	"یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔۔۔۔	132
129	مسئلہ وسیلہ	136
130	نکات	137
131	(۱) "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"	132
132	(۲) بعض لوگ اولیاء کو مردہ کہتے ہیں کیا انھیں یہ علم نہیں کہ قرآن کہتا ہے "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"	137
133	(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کائنات کے بکھرے ہوئے جلوؤں کو سمیٹ کر انسان کو بنایا	138
134	(۴) اگر کوئی کہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہمارے قریب و پاس ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟ اس کا جواب	138
135	مثال: سر درد کی	138
136	(۵) مسلمان حق و ہدایت پر ہیں تو پھر آخر عمر تک یہ کیوں کہتے رہتے ہیں کہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ"	139
137	(۶) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ہندو مذہب کے برہمن نے سوال کیا کہ خدا ہندو ہے یا مسلمان؟ کا جواب	139

138	(۷) حضور ہمارے پاس ہیں قول باری تعالیٰ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ"	140
139	(۸) اللہ فرماتا ہے کہ "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" اس سے ثابت ہوا کہ حضور ہدایت نہیں دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب	140
140	(۹) بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک کان میں اذان اور دوسرے میں تکبیر کہی جاتی ہے؟ اس کی وجہ	141
141	حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اور سفر و بھوک	142
142	"وَ مَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ" اور وہ (نبی) غیب (بتانے) پر بخیل نہیں۔	142
143	"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰہُ" اسکی تفسیر	143
144	"یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا" اس کی تفسیر	144
145	"قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"	144
146	(امتناع نظیر) قسط اول	145
147	امتناع نظیر قسط دوم	147
148	"ھُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّہٖ"	148
149	تمام اشیاء حضور ﷺ کی فرع ہیں اور فرع اصل کی طرف میلان رکھتی ہے تو کفار نے حضور کی طرف میلان کیوں نہ کیا؟ اس کا مفصل جواب	149
150	"تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا" اس پر مفصل سوالات و جوابات	151

اپیل

جُملہ برادرانِ اسلام سے بالعمُوم اور مخیّر حضرات سے بالخصُوص مخلصانہ اپیل کی جاتی ہے کہ جامعہ فیاض العلوم غلّہ منڈی رائے ونڈ کی پہلی اور مشہور وہ درسگاہ ہے جس میں کثیر تعداد میں طلباء و طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان کے طعام و قیام کا کفیل ادارہ ہٰذا ہے۔

لہٰذا مخیّر حضرات اپنے صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور چرمہائے قربانی صدقہ فطر و عشر کے موقع پر مدرسہ ہٰذا سے تعاون فرما کر عنداللہ ماجُور ہوں۔

والسّلام

منجانب : صاحبزادہ فیاض محمّد الوری

نائب ناظم اعلیٰ جامعہ مجددیہ فیاض العلوم رائے ونڈ ۲۳ ۴۲۵۶۶۲۳ ۰۳۰۰

جامعہ مُجدّدیہ فیاض العلوم رائے ونڈ لاہور

جامعہ فیاض العلوم اہل سنت و جماعت کی مشہور دینی درسگاہ ہے

جس میں

- قرآن پاک حفظ و ناظرہ قراءت و تجوید کے ساتھ ساتھ مکمل درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے
- جامعہ کا شعبہ جامعۃ الطالبات بھی قائم ہے جس میں بیرونی طالبات کو حفظِ قرآن، تجوید اور عالمہ فاضلہ کورسز پڑھائے جاتے ہیں۔
- جامعہ میں طلبہ و طالبات کی رہائش، خوراک، لباس، علاج معالجہ کا بہترین انتظام ہے۔ مخیر حضرات اس صدقہ جاریہ میں حصہ لے کر سعادتِ دارین حاصل کریں۔

برائے رابطہ

محمد عبدالغفور الوری، بانی و مہتمم جامعہ فیاض العلوم غلہ منڈی رائے ونڈ، لاہور

صاحبزادہ مولانا فیاض محمد 042-35390243, 0300-4256623

عقد الجواہر

مؤلف کی طبع شدہ کتب

(۱) فتاویٰ مفتی محمد عبد الغفور الوری (جلد اول)

(۲) فتاویٰ مفتی محمد عبد الغفور الوری (جلد دوم)

(۳) عراق و امریکہ جنگ معرکۂ حق و باطل اور شرعی فتویٰ

(۴) سورت روحانی اعلامیہ اور فیورک تنظیم کے دستور پر ایک اہم فتویٰ

(۵) احسن المقال فی قصر الصلوٰۃ وعدمہ مع الاھل والعیال

(۶) انوارُ المصابیح لختم القرآن فی التراویح

(۷) تبلیغی جماعت کا صحیح رُخ

(۸) تعارف مدرسہ

(۹) توسُّل کا ثبوت

(۱۰) شرح صرف بہائی

(۱۱) شرح میزان الصرف

(۱۲) اربعین الوری

(۱۳) خلاصۂ علم میراث

(۱۴) مقالات الوری

(۱۵) ثبوتِ ایصالِ ثواب

(۱۶) عقد الجواہر

(۱۷) ننگے سر نماز ناجائز

مؤلف کی زیر طبع کتب

(۱۸) ترجمہ فتاویٰ خیریہ

(۱۹) شرح دیباچہ گلستان

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ط اَمَّا بَعْدُ"

اس مختصر تحریر کے مضامین سے، جو آپ کے پیش نظر ہیں، کوئی دنیوی غرض و غایت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کی رضا جوئی اور اپنی نجات کا ذریعہ سمجھ کے یہ چند سطور تحریر کر رہا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل میرے دل و دماغ میں وہی چیز ڈالے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہو اور اللہ تعالیٰ خودی اور نفسانیت یا ریاکاری سے ہمیں اپنے محبوب کے طفیل محفوظ و مامون رکھے۔

اس میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن و حدیث اور فقہ کے دلائل کی روشنی میں پوری تحقیق کے ساتھ بحوالہ تحریر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی "اِنَّ الْاِنْسَانَ مُرَكَّبٌ مِّنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ" کے مطابق انسان غلطی کا پتلہ ہے۔ کہیں قارئین کرام کوئی غلطی دیکھیں تو بحوالہ مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور ہماری طرف سے مشکور۔ آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ درست کر لیا جائے گا۔

پھر اگرچہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ غلطی سے پاک تو اللہ کا کلام قرآن پاک ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

"وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا"

(پارہ: ۵، سورۃ النساء، آیت نمبر ۸۲)

اور اگر وہ اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اِس میں بہت اختلاف پاتے۔ (البیان)

جیسا کہ امام مزنی بیان کرتے ہیں کہ

"قَالَ الْمُزَنِیُّ قَرَأْتُ کِتَابَ الرِّسَالَةِ عَلَی الشَّافِعِیِّ ثَمَانِیْنَ مَرَّةً، فَمَا مِنْ مَرَّةٍ إِلَّا وَکَانَ یَقِفُ عَلَی خَطَأٍ فَقَالَ الشَّافِعِیُّ هِیْهِ، أَبَی اللّٰہُ أَنْ یَّکُوْنَ کِتَابًا صَحِیْحًا غَیْرَ کِتَابِہٖ"

میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الرسالہ" اُن کے سامنے اَسّی (۸۰) مرتبہ پڑھی اور ہر مرتبہ امام شافعی اس میں کسی نہ کسی غلطی پر مطلع ہوتے رہے بالآخر امام شافعی نے فرمایا کہ اب چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اُس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔

ردالمحتار جلد اول صفحہ ۱۰۵ مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

تاہم قارئینِ کرام! اس پیشِ نظر کتاب کے مضامین کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ان شاء اللہ ہر مضمون کو تحقیقی پائیں گے۔ ہر مضمون کے تحت ایسے تحقیقی مضامین و نکات اور مثالیں پائیں گے جو آپ کے معلومات کے اضافہ کا باعث بنیں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ بات سے بات پیدا کرنے کا ملکہ پیدا کریں گے۔ جو بات یا جو مسئلہ بھی اس تحریر میں ملاحظہ کریں گے ان شاء اللہ بحوالہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعاء ہے کہ ہماری اِس مختصر معمولی سی خدمت کو اپنی بارگاہِ بےکس پناہ میں شرفِ قبولیت عطاء فرمائے۔ پڑھنے والوں اور سننے والوں کے لیے مفید بنائے اور ہمارے لیے باعثِ نجات فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین۔

دُعاء جو!

محمد عبد الغفور الوری

مہتمم جامعہ مجددیہ فیاض العلوم رائے ونڈ لاہور

شیخ الحدیث علامہ محمد عبد الغفور الوری مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ فیاض العلوم کے اگرچہ ایک سے ایک اعلیٰ کارنامے ہیں

مگر ان میں دو کارنامے وہ پیش کر رہا ہوں ۔

جنکی شہرت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

کارنامہ (اوّل)

جامعہ مجددیہ فیاض العلوم کا سرزمین رائے ونڈ میں قیام

کارنامہ (دوم)

کل پاکستان میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانفرنس

۲۵، ۲۶، ۲۷ مارچ ۱۹۷۹ء میں

کا رائے ونڈ جیسی سرزمین پر انعقاد ہے ۔

یہ ایسی کانفرنس تھی جسکی شہرت پوری دنیا کے اخبارات، جرائد اور پریس کے علاوہ بی بی سی

جیسے بین الاقوامی ادارے نے کی شرکاء کی تعداد پچاس لاکھ (۵۰۰۰۰۰۰) نشر کی ۔

قاری شیر محمد (خطیب کوٹ عبد القادر قصور) فاضل جامعہ فیاض العلوم رائیونڈ لاہور

عقد الجواهر

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

مؤمنوں پر اللہ کا اِحسانِ عظیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ

(پارہ:۴،آل عمران:۳ آیت:۱۶۴)

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اُس نے اُن میں عظمت والا رسول بھیجا اُن ہی میں سے جو تلاوت کرتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔(البیان)

اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان کیا کہ عظمت والے رسول کو مبعوث فرمایا اب یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے احسان کس پر بتایا؟ آپ کے فقط روح مقدس پر احسان نہیں اسی طرح آپ کے مجرد ہونے پر احسان نہیں فرمایا بلکہ احسان یہ ہے کہ"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ"یعنی مؤمنین پر اللہ کا احسان ہے کہ عظمت والے رسول کو مبعوث کر دیا۔ رسول کی روح کا پیدا ہونا مبعوث نہیں اور مجرد پیدا ہونا مبعوث نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے امر ونواہی کے مامور ہو کر اور منصبِ نبوت پر فائز ہو کر تشریف لانا اس کا نام ہے مبعوث ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو بعض کے لیے مباح اور بعض کے لیے حرام فرمانا اور کسی چیز کو فرض یا واجب یا سنت یا مستحب قرار دینا یا منع فرمانا یہ بعثت کا مفہوم ہے۔ خدا اپنے ارشادات کو بندوں کی طرف پہنچاتا ہے تو اس کا نام بعثت ہے۔ اس بعثت سے مراد

بعثت شرعی اور بعثت جب ہوگی جبکہ اس نبی کے اندر روح بھی ہو اب یہ بتاؤ کہ نبی جس وقت ایک دفعہ مبعوث ہوگا تو بعثت باقی رہے گی یا نہ۔ اگر باقی رہے گی تو روح جسم میں ضرور ہوگی۔

سوال اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ترمذی کی حدیث تم بھول گئے کہ جس وقت صحابہ نے آقا سے پوچھا "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ تو آپ ﷺ نے فرمایا کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ " (میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے) تو بڑی تعجب کی بات ہے کہ آقا نے دنیا میں آنے سے پہلے نبوت کا اقرار فرمایا اور وہاں تو ابھی جسم نہ تھا لہٰذا تمہارا یہ کہنا بعثت یہ ہے کہ روح مع جسد ہو کیسے صحیح ہے؟

ترمذی شریف	صفحہ ۸۲۳ حدیث نمبر ۳۶۰۹	مطبع دار السلام الریاض،

جواب اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ میں نبوتِ حقیقیہ کے اندر گفتگو کر رہا ہوں جس کو زبان شرعیہ میں دوسرے لفظ سے بعثت قرار دیتے ہیں اور تم نبوتِ حکمیہ پیش کر رہے ہو اور جب بعثت ہوتی ہے تو وصف بدل نہیں سکتی نبوتِ حقیقی سے بدل کر حکمی نہیں ہوتی۔ تم کلمہ پڑھتے ہو تو مجھے ایمان سے کہنا کہ جس وقت کلمہ پڑھتے ہو اور محمد رسول اللہ کا لفظ زبان پر لاتے ہو تو فقط زبان پر ہوتا ہے یا کچھ معنی اور اعتقاد بھی ذہن میں ہوتا ہے؟ حقیقۃً رسول مان کر پڑھتے ہو یا حکماً اعتقاد رکھ کر پڑھتے ہو یا بغیر اعتقاد کے؟ اگر اعتقاد رکھ کر اور حقیقۃً رسول مان کر پڑھتے ہو تو بعثت بغیر روح مع الجسد کے نہیں ہوتی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آقا حیات ہیں شاید کوئی یہ کہہ دے کہ حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر سے روح نکلنی تو ضرور ہے اگر یہ نہ مانے تو قرآن کے خلاف بلکہ احادیث اور اجماع کے خلاف ہے اور اگر یہ کہیں کہ قبض روح اور موت کا معنی یہ ہے کہ روح قلب میں رکھا جائے اور بدن سے باہر نہ نکالا

جائے تو یہ بھی قرآن وحدیث واجماع کے خلاف ہے تو میں جواباً یہ عرض کروں گا
کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کا آنا حق ہے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصاریٰ کے ساتھ جس وقت گفتگو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

أَنَّ عِيسٰى سَيَمُوْتُ بَعْدَ النُّزُوْلِ، وَاللهُ تَعَالٰى حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ

ترجمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن موت آئے گی اور اللہ وہ ہے جو حی ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔

تفسیر نیشاپوری	جلد ۴ صفحہ ۳۷۴	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

موت قانونِ الٰہی ہے ضرور پورا ہوگا انبیاء پر موت کا آنا دلیل ہے عدمِ اُلوہیت کی۔
موت کا معنی قبض روح کے ہیں اور قبض کا معنی ہے بدن سے روح کا نکلنا۔ اب اگر آپ کہو گے کہ تمہارا دعویٰ ختم ہو گیا؟ تو میں کہوں گا کہ میرا کہہ دینا ضروری ہے اگر آگے کوئی بات نہ سمجھے تو یہ اس کا قصور ہے البتہ دلیل پیش کرنا میرا فرض ہے۔ قبض روح ضرور ہوئی مگر اس کے باوجود نہ بعثت میں کوئی فرق آیا نہ رسالت میں۔
اب اگر آپ کہو گے کہ یہ کیا ہے؟ تو میں یہ کہوں گا کہ روح کا مفاد حیات ہے اور روح کا خلاصہ اور عطر حیات ہے بلکہ یوں کہو کہ روح کا روح حیات ہے اور حیات باقی ہے۔ لہٰذا اگرچہ روح جسم سے نکل جائے لیکن پھر بھی بعثت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ حیاتِ جسمانیہ موجود ہے نہ خالی جسم ہے اور نہ فقط روح۔

سوال اگر کوئی کہے کہ جس وقت روح نہ ہو تو حیات کیسے ہوگی؟

جواب تو میں کہوں گا کہ حیات کا معنی یہ نہیں کہ جسم کے اندر روح ہو۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو اللہ کے لیے بھی حیات ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ جسم وروح سے پاک ہے لہٰذا حیات کا معنی ہوگا کہ حیات ایک صفت ہے جو ارادہ کو سمع کو بصر کو صحیح قرار

دینے والی ہے۔ اگر یہ صفت قدیم ہے تو حیات بھی قدیم۔ اگر یہ صفت حادث تو حیات بھی حادث۔ ایسی صفت مصححہ کا نام حیات ہے۔ بندوں کی حیات بندوں کے لائق ہے اور اللہ کی حیات اللہ کے لائق ہے۔ باقی آپ کا یہ کہنا کہ روح کے بغیر حیات کا تصور ذہن قبول نہیں کرتا تو میں یہ کہوں گا کہ کسی کا ذہن قبول کرے یا نہ کرے مؤمن کا ذہن ضرور قبول کرے گا۔ کیونکہ روح حیات کے لیے مؤثر اور موجد نہیں ہے۔ خالق نہیں ہے بلکہ ایک سبب ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ سبب کے بغیر مسبب کو پیدا کردے اور مسبب کے ہوتے ہوئے سبب کو معدوم کردے اور ہمارا بھی یہ ایمان ہے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے۔ کیونکہ انسان کے پیدا ہونے کے لیے زوجین سبب ہیں۔ اب دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر سبب کے مسبب کو پیدا کردیا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے، حضرت بی بی حواء رضی اللہ عنہا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئیں لہٰذا یہ بغیر ماں کے پیدا ہوئیں اور حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے حالانکہ یہ بھی انسان ہیں اور انسان کی پیدائش کے لیے زوجین کا وجود سبب ہے۔

اب یہاں دیکھو کہ مسبب بغیر سبب کے پایا گیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ بغیر سبب یعنی روح کے مسبب یعنی حیات کا وجود صادر فرمادے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ روح کو خالق حیات اور موجد حیات نہیں کہتے بلکہ سبب قرار دیتے ہیں اور سبب موجد اور خالق نہیں ہوتا۔ اگر آپ یہ قبول نہ کریں تو اُصولی بات پیش کرتا ہوں۔

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۱۲۵، ۵۰۶	مطبع اصح المطابع کراچی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھجور کے تنا کے ساتھ تکیہ لگا کر خطبہ فرماتے تھے۔ جب منبر بنایا گیا اور آپ کھجور کے تنا کو چھوڑ کر منبر پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنا رونے لگ گیا اور ایسا

رویا کہ جیسے وہ اونٹنی کہ جس کا بچہ گم ہوجائے اور فراق کے مارے روتی پھرتی ہے۔صحابہ کہتے ہیں کہ اس کا رونا ایسے فراق کا تھا کہ قریب تھا کہ ہمارے جگر پھٹ جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے سینہ سے لگایا اور وہ ایسے روتا تھا جیسے مادرِ مشفقہ کی گود میں بچہ روتا ہے۔کتنی خوش قسمت تھی وہ لکڑی کہ سینۂ نبوت سے معمور ہوئی۔اس حدیث کے تحت قسطلانی،عینی،کرمانی لکھتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ روح کے بغیر حیات موجود ہوسکتی ہے۔اب بولو کہ اللہ قادر ہے کہ بغیر روح کے حیات پیدا کردے یا نہ؟

اللہ کی محبت اتباعِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پارہ:۳،آلِ عمران:۳/۳۱)

ترجمہ (اے محبوب اہل کتاب سے) فرمادیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔(البیان)

مسلمانو!تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے اور مقدم مسلمان کے لیے کونسا اہم نظریہ ہے کانگریس نے سب سے پہلے اپنا نظریہ وطن کو سمجھا پھر مسلمان ہونے کو اور مسلمانوں نے اپنا اہم اور مقدم نظریہ مذہب کو جانا پھر ہندوستانی ہونے کو اور ہماری آزادی کا موجب فقط مذہب ہے کیونکہ ہمارا سب سے پہلے نظریہ یہی مذہب ہے بخلاف کانگریس کے کیونکہ ان کی آزادی وطن سے ہے اور اول نظریہ بھی ان کا یہی وطن ہے۔جب ہماری آزادی کا موجب مذہب ہوا تو مذہب چھوڑنے سے ہماری آزادی نہ ہوگی بلکہ مقید ہوں گے کیونکہ ہماری آزادی کی بنیاد ہی مذہب ہے۔

یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص درخت کی ٹہنی پر بیٹھ کر اس کے تنا کو کاٹے تو یقیناً وہ ہلاکت کے مرحلہ تک پہنچ جائے گا کیونکہ وہ اپنی بنیاد کا دشمن بن رہا ہے۔لہٰذا مذہب کو چھوڑنا آزادی کی بنیاد خراب کرنا ہے جس طرح ہماری آزادی کی بنیاد مذہب ہے اسی طرح

مذہب یعنی اسلام اور ایمان کی بنیاد اور حقیقت کبریٰ حضور اکرم ﷺ ہیں۔ لہٰذا جو آقائے دو عالم کا غدار ہو وہ اسلام کا حقدار نہیں ہوسکتا بلکہ اسلام کا حقدار وہ ہوگا جو وفادار ہوگا جس کے اندر غداری ہے وہ مسلمان کہلوانے کا حقدار ہرگز نہیں ہے۔

سائنس اور اسلام کا تقابلی جائزہ

سوال مجھے ایک شخص نے کہا کہ سائنس والے بہت عروج کر رہے ہیں اور اسلام کے اندر کوئی عروج نہیں جہاں پہلے تھا اب بھی وہیں ہے؟

جواب تو میں نے عرض کیا یہ روس وامریکہ ہلاکت کے آخری مرحلہ تک پہنچے ہوئے ہیں کیونکہ ہر ایک کوشش کر رہا ہے کہ ایسے آلات تیار کیے جائیں کہ اگر جہان کو مٹانا پڑے تو ایک لمحہ میں تمام جہان کو برباد کر دیں۔ لہٰذا ان کے پلّے سوا بربادی اور ہلاکت کے کچھ نہیں۔

اور اگر حیات چاہتے ہو تو میرے آقا کے در پر آئیں اور حیاتِ اَبدی حاصل کرلیں کیونکہ جو آپ کے دامن کے اندر آیا نہ وہ مرتا ہے اور نہ کسی کو مرنے دیتا ہے۔ کفار حضور ﷺ کے دامنِ مقدس کے نیچے نہیں آتے لہٰذا وہ مردہ ہیں اگرچہ چلتے پھرتے ہیں دنیا میں مسلمان جیسے معاملات کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ" (پارہ:۲۰ سورۂ نمل ۲۷:۸۰)

ترجمہ بے شک آپ نہیں سناتے مُردوں کو اور نہیں سناتے بہروں کو۔ (البیان)

اور مؤمن اگرچہ قبر میں ہے لیکن پھر بھی زندہ ہے کیونکہ وہ دامن کے سایہ کے اندر ہے۔ گویا سائنس اور اسلام کے درمیان ایسا فرق سمجھیں۔

نکتہ و مثالِ نیند

نکتہ مثلاً ایک شخص نیند کر رہا ہے اور خواب میں اس کو حج نصیب ہوا، طواف کر رہا ہے، صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ رہا ہے، قربانی کر رہا ہے اور حجرِ اسود کو بوسہ دے

رہا ہے تو ان احکام پر سائنس کی رسائی نہیں ہے کیونکہ سائنس کا تعلق مادہ سے ہے اور مذہب کا تعلق روح سے ہے۔ لہٰذا جہاں مذہب کی رسائی ہے وہاں سائنس نہیں پہنچ سکتی کیونکہ جہاں مادہ ختم ہوتا ہے وہاں سے روح کی ابتداء ہوتی ہے۔

دیکھو آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ موٹر اور جہاز کی کہیں ٹکر لگی ہے کیونکہ موٹر زمین پر چلنے والی اور جہاز اوپر اڑنے والا ہے بلکہ موٹر کی موٹر کے ساتھ اور گاڑی کی گاڑی کے ساتھ ٹکر لگے گی کیونکہ دونوں زمین پر چلنے والی ہیں۔ سائنس کی مثال موٹر جیسی ہے اور اسلام کی مثال جہاز جیسی ہے۔ لہٰذا کبھی نہیں ہوسکتا کہ سائنس اسلام کا مقابلہ کر سکے بلکہ اسلام کی ابتداء تک سائنس کی رسائی نہیں ہوسکتی اور اسلام کا مبدأ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور توحید کے لیے سبب رسالت ہوتی ہے۔

قبر میں فرشتوں کا سوال وجواب

لہٰذا جب تک رسالت کا دامن مضبوط نہ پکڑا جائے توحید ہاتھ نہیں آسکتی یہی وجہ ہے کہ جس وقت قبر کے اندر سوال کیا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ تو مومن کہے گا "رَبِّیَ اللّٰہُ" میرا رب اللہ ہے۔ تو فرشتے جان نہ چھوڑیں گے کیونکہ اللہ کے ماننے کا دعویٰ کرنے والے تو ہزاروں ہیں کیا رسالت مآب کے ساتھ بھی کچھ تعلق ہے یا نہ اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان نہ ہو تو "رَبِّیَ اللّٰہُ" کچھ فائدہ نہ دے گا تو ثابت ہوا کہ اصل مقصود تو توحید ہے لیکن توحید حاصل کرنے کا ذریعہ رسالت ہے اور فرشتہ جس وقت کہے گا

مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ

ترجمہ یعنی تو اِس رجل مقدس کے حق میں کیا کہتا تھا؟

بخاری شریف	جلد ۱ صفحہ ۳۲۵، حدیث نمبر ۱۳۳۸	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت
مسلم شریف	جلد ۴ صفحہ ۳۳۰ حدیث نمبر ۲۸۷۱	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

ابوداؤد شریف	جلد ۳ صفحہ ۲۴۳ حدیث: ۴۷۵۱	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت
نسائی شریف	صفحہ ۳۵۴ حدیث: ۲۰۴۹	مطبع دار احیاء التراث العربی بیروت
ترمذی شریف	صفحہ ۲۵۸ حدیث: ۱۰۷۱	مطبع دار السلام الریاض
مشکوٰۃ شریف	جلد اول صفحہ ۴۵، حدیث: ۱۲۶	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

تو مؤمن پہچان لے گا کہ یہ میرے آقا ہیں اور کہے گا "ھٰذَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اگر چہ مؤمن نے دنیا میں آقا کی زیارت نہیں کی لیکن وہاں ضرور پہچان لے گا اور کافر مثلاً ابوجہل اور ابولہب اگر چہ دنیا میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے مگر وہاں نہ پہچان سکیں گے۔ کیونکہ ظلمتِ کفر نے انھیں اندھا کر دیا ہے۔

معلوم ہوا قلب کی آنکھ کی ضرورت ہے جہاں تک قلب منور نہ ہو پہچان دشوار ہے، مؤمن کا قلب نورِ معرفت سے بھرا ہوتا ہے اس لیے پہچان لے گا اور کافر کے دل پر ظلمت چھائی ہوئی ہوگی اس لیے نہ پہچان سکے گا۔ اور یہ پہچان اور نورِ معرفت حاصل کرنا محبت سے ہے اس لیے آقائے دوعالم نے فرمایا

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

ترجمہ تم میں سے کوئی بھی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کے والد، اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۱۲ حدیث نمبر ۱۵	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

لہٰذا ایمان حضور کی محبت ہے اور ایمان کی بنیاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آقا کی محبت کا نشان صوم وصلوٰۃ، اور حج وزکوٰۃ وغیرہ ہیں لیکن ذرا وجودِ محبت کے لیے کوئی دلیل تو ثابت کرو۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ

ایک وہ قوم آئے گی جن کا قیام طویل ہوگا لوگ اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے سامنے حقیر جانیں گے، قرآن بہت اچھا پڑھیں گے لیکن حلقوم سے نیچے نہ اُترے گا اور

مسجدیں ہدایت سے خالی اور خراب ہوں گی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ نشان جس کے اندر اصلیت نہ پائی جائے وہ نشان نشان نہیں رہتا۔لہٰذا وجودِ محبت کے لیے کوئی دلیل لاؤ۔

وجودِ محبت کے لیے دلیل

ابوداؤد میں حدیث ہے

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ

ترجمہ کسی چیز سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرہ کردے گی۔

ابوداؤد شریف	جلد۳ صفحہ ۳۳۹ حدیث نمبر ۵۱۳۰	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

یعنی جہاں محبت ہوگی وہاں محبوب کے عیوب دیکھنے سے اندھا ہو جائے گا اور اس کے عیوب سننے سے بہرہ ہو جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محبت والی آنکھ محبوب کے عیب دیکھنے سے اندھی ہوتی ہے اور محبت والا کان محبوب کے عیب سننے سے بہرہ ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ اگرچہ محبوب کے اندر عیب ہوں لیکن محب کو کبھی نہیں نظر آتے تو بتاؤ کہ جس محبوب کے اندر عیب بھی نہ ہوں از سرتا پا محمد ہو (یعنی بے عیب) اور پھر اس کے اندر عیب نکالے جائیں تو یہ کتنا غضب ہے پھر عیب نکالنے کے بعد اپنے آپ کو محب کہلواتے ہیں اور مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں دعویٰ بغیر دلیل کے غیر مسموع ہوتا ہے۔لہٰذا مؤمن کہلوانا بغیر دلیل کے غیر مسموع ہوگا اور جہاں خدا و رسول کی محبت ہوگی وہاں خدا کا خوف ہوگا اور جہاں خوفِ الٰہی ہو وہاں معرفت ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام خوف الٰہی کا مرکز ہوتے ہیں اور جہاں خدا کا خوف نہ ہو وہاں انسانیت نہ ہوگی۔اسی طرح خدا کے مانے بغیر انسانیت حاصل نہ ہوگی اور خدا پر اعتماد ہو نہیں سکتا جب تک نبی پر اعتماد نہ ہو۔کیونکہ نبی کے کہنے

سے تو ہم نے خدا کو مانا لہٰذا جس کے اندر خوف ہے وہاں معرفت ہے اور معرفت خوف سے پیدا ہوتی ہے۔

نکتہ جیسے ایک چور کو سپاہی پکڑنے لگا لیکن وردی پیٹی پہنی ہوئی نہیں تو چور اُس سے نہ ڈرے گا بلکہ لڑنے کے لیے تیار ہو جائے گا کیونکہ اُسے معرفت نہیں کہ یہ سپاہی ہے اور جب سپاہی نے وردی پیٹی پہنی تو چور کانپ جائے گا کہ حکومت کا بندہ ہے مجھے قید کر دے گا۔

معلوم ہوا کہ معرفت نہ ہو تو خوف نہیں پیدا ہو سکتا بلکہ معرفت وہاں ہوگی جہاں خوف ہوگا کیونکہ خوف تمام برائیوں سے محفوظ کرتا ہے۔

قبر والے کو نداء دینا اور قبر میں سے جواب

کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ حدیث نمبر ۴۶۳۱ مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے اور یحییٰ بن عمرو خزاعی تابعی کا ایک کوچہ سے گزر ہوا تو وہاں سے ایک عورت نے دیکھا اور اپنی طرف مائل کرنے کے لیے بلایا اور بہت مکر و حیلہ کے ساتھ اپنی طرف توجہ دلانے لگی تو جب آپ نے آگے قدم اٹھایا اور قریب ہوئے تو فوراً یہ آیت یاد آ گئی

اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (پارہ:۹ اعراف ۷:۲۰۱)

ترجمہ جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھوتا ہے تو وہ فوراً خبردار ہو جاتے ہیں تو اسی وقت اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (البیان)

تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تو آپ کے والد ماجد کو پتہ چلا تو اٹھا کر گھر لے گئے جب ہوش میں آئے تو والد نے پوچھا بیٹے وجہ کیا تھی؟ تو جس وقت آپ نے حال بتانا شروع کیا اور یہی آیت دوبارہ سامنے آئی تو پھر بے ہوش ہو گئے اور اسی بے ہوشی میں روح

قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تورات کا موقعہ کا تھا اور حکم تھا کہ تجہیز و تکفین اور تدفین کے لیے تاخیر نہ کی جائے لہٰذا تعجیل کے ساتھ رات کو غسل دے کر دفن کیا گیا اور امیر المؤمنین چونکہ اُمورِ خلافت میں مصروف تھے اس لیے آپ کو خبر نہ دی گئی صبح کو جس وقت خبر پہنچی تو تعزیت کے لیے تشریف فرما ہوئے اور حضرت یحییٰ بن عمرو خزاعی کی قبر پر تشریف لے گئے اور قبر پر کھڑا ہو کر فرمایا

اَیُّهَا الْفَتٰی وَفِیْ رِوَایَةٍ یَا اَیُّهَا الشَّابُ ،وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ
فَاَجَابَهُ الْفَتٰی مِنْ دَاخِلِ الْقَبْرِ یَا عُمَرُ قَدْ اَعْطَانِیْهِمَا رَبِّیْ فِی الْجَنَّةِ مَرَّتَیْنِ

ترجمہ اے نوجوان! جو اللہ کے مقام سے ڈر جائے اُس کے لیے (اللہ تعالیٰ) دوہری جنتیں عطا فرماتا ہے۔ تو نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا اے (حضرت) عمر! مجھے میرے رب نے جنت میں دوہری جنتیں عطا فرما دی ہیں۔

کنز العمال	جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ حدیث نمبر ۴۶۳۱	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اس سے ثابت ہوا کہ قبر پر کھڑا ہو کر اہلِ قبر کو پکارنا شرک نہیں بلکہ طریقہ فاروقی کو زندہ کرنا ہے۔

سوال ممکن ہے کہ زندہ کو قبر میں دفن کیا گیا ہو اس لیے انھوں نے قبر سے جواب دیا ہو؟

جواب اگرچہ بالفرض مان لیں کہ زندہ درگور کیے گئے تو قبر میں جا کر زندہ کیسے رہے اور دو جنتیں کیسے ملیں کیا زندہ کو جنت مل جاتی ہے اور امیر المؤمنین کو بجائے اس کے یہ کیوں نہ کہا کہ میں زندہ درگور کیا گیا ہوں لہٰذا مجھے باہر نکالو۔ باقی رہا یہ کہ جب ہم اولیاء کے مزار پر جاتے ہیں تو ہمیں جواب کیوں نہیں ملتا تو میں کہوں گا کہ وہ سننے والے فاروق اعظم تھے اگر تم سننا چاہتے ہو تو پہلے ان جیسی اہلیت تو پیدا کرو کہاں تم اور کہاں فاروق اعظم؟ ؎ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

حضرت عیسیٰ کی روضہ رسول پر حاضری

اگر تم اس کے اہل ہو جاؤ تو یقیناً سنو گے لیکن ظلمات حاجب بن گئے اس لیے محجوب رہ گئے۔اسی طرح سرور عالم ﷺ نے فرمایا دیکھئے

مجمع الزوائد	جلد ۸ صفحہ ۲۷۶	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیَنْزِلَنَّ عِیسٰی ابْنُ مَرْیَمَ ---- ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ لَاَجِبْتُهٗ ؕ

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم نزول ضرور فرمائیں گے بے شک انھوں نے میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے ندا کی کہ یا محمد تو میں انھیں ضرور جواب دوں گا۔

اور ہر ولی مظہر انبیاء ہوتا ہے اس لیے آقا نے فرمایا

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عِیسٰی ابْنِ مَرْیَمَ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ ذَرِّ غِفَارِیٍّ

کنز العمال	جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۶	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

ترجمہ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھنا پسند کرے وہ ابوذر غفاری کی طرف دیکھ لے

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا "یَا عَلِیُّ اِنَّ فِیْكَ مِنْ عِیسٰی مَثَلًا" (اے علی! تیری عیسیٰ علیہ السلام جیسی مثال ہے) دیکھئے

کنز العمال	جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۶	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اور خلفاءِ راشدین سب مظہر ہیں آقا کے اس لیے آپ نے فرمایا

لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَات

ترجمہ یعنی نبوت کے اجزاء ختم ہو گئے مگر ایک جزء مبشرات خواب کا باقی رہا۔

کنز العمال	جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۸ حدیث ۴۱۴۱۱	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اور یہ جزء قیامت تک باقی رہے گی اور مؤمن جب تک مظہر نہ ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مظہریت کا انکار اپنے مؤمن ہونے کا انکار ہوگا اور جمیع کائنات باری تعالیٰ کے حسن و جمال اور قدرت کا مظہر ہے۔ لہٰذا پھول سے اگر حسن و جمال ظاہر ہو تو ہم مانتے ہیں اور اگر عبد سے ظاہر ہو تو نہ مانیں تو یہ بجائے عداوت کے اور کیا ہے؟

لہٰذا ثابت ہوا کہ مؤمن کامل وہی ہے جو مظہر ہو سرورِ عالم ﷺ کا۔ اور مظہر ہو نہیں سکتا جب تک ایمان کی بنیاد یعنی آقا کے ساتھ صحیح تعلق نہ ہو۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اگر ایمان سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں تو آقا سے صحیح تعلق وابستہ کریں۔

ندائے یا رسول اللہ کا ثبوت

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم ﷺ کو حکم دیتا ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ (اے حبیب) آپ فرما دیں اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا تو جس نے ہدایت پائی اُس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا تو وہ اپنی ہی ہلاکت کے لیے گمراہ ہوا اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ (البیان)

پارہ: ۱۱، سورۂ یونس نمبر ۱۰ آیت نمبر ۱۰۸، آخری رکوع

الناس سے مراد تمام بنی آدم

" اَلنَّاسُ " سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان مراد ہیں۔ اب قابلِ غور یہ امر ہے کہ وہ تمام بنی آدم رسولِ کریم ﷺ کے سامنے حاضر ہیں یا غائب۔ اگر حاضر ہیں تو معلوم ہوا کہ آنحضرت سے کوئی انسان غائب نہیں بلکہ سب حاضر ہیں۔ لہٰذا ہم اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حرف یاؔ سے پکاریں تو ہم نے غائب کو نہ پکارا بلکہ حاضر کو پکارا اور حاضر کو یاؔ کے ساتھ آواز دینا مخالفین کے نزدیک بھی جائز ہے۔

پس ندائے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ جائز ہوئی اور اگر وہ بنی آدم مخاطبین نبی کریم ﷺ سے غائب ہیں تب بھی نداءؔ جائز ہوئی کیونکہ اگر نداءؔ جائز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو غائبین کو ندا فرمانے کا حکم نہ دیتا یہ حکم اس امر کی دلیل ہے کہ غائب کو یا کے ساتھ پکارنا جائز ہے۔ ہر نوع دونوں صورتوں میں نداء یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جائز ہوئی۔

سوال اگر کہا جائے کہ قرآن کی نداء تو قیامت تک ایک دوسرے کے ذریعے لوگوں کو پہنچتی رہے گی اور آنحضرت کو ہماری نداء پہنچنے کا کونسا ذریعہ ہے؟

جواب تو ہم کہیں گے کہ مؤمنین کی صلوٰۃ وسلام اور تمام اعمال کا آنحضرت کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جن احادیث کی صحت کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ نداء اگر درود شریف کے ساتھ ہے تو شامل صلوٰۃ ہو کر پہنچے گی ورنہ عمل تو بہرحال ہے۔ لہٰذا اعمال ناموں کے ضمن میں بارگاہ رسالت مآب تک یقینی طور پر پہنچے گی۔ جب ہر حالت میں ہماری نداء کا بارگاہِ نبوی تک پہنچنا ثابت ہو گیا تو جس طرح نداء " یَآاَیُّھَا النَّاسُ " جائز اور صحیح ہے اسی طرح نداء یارسول اللہ بھی جائز ہے۔

ثبوت نداء یارسول اللہ از حدیث

حَدَّثَنِیْ سَلَمَۃُ بْنُ شَبِیْبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ --- الخ فَقَدِمْنَا الْمَدِیْنَۃَ لَیْلًا فَتَنَازَعُوْا اَیُّھُمْ یَنْزِلُ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فَقَالَ اَنْزِلُ عَلٰی بَنِیْ النَّجَّارِ اَخْوَالِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اُکْرِمُھُمْ بِذٰلِكَ فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ فَوْقَ الْبُیُوْتِ وَ تَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِی الطُّرُقِ یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

ترجمہ پھر ہم رات کے وقت مدینہ پہنچے لوگ اُس پر آپس میں جھگڑنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس کے پاس ٹھہریں گے آپ نے فرمایا میں بنونجار کے پاس ٹھہروں گا جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں میں اپنے قیام سے اُن کی عزت افزائی کروں گا پھر تمام مرد اور عورتیں اپنے اپنے مکانوں پر چڑھ گئے اور لڑکے اور غلام راستوں میں نعرے لگا رہے تھے۔" یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ"

مسلم شریف	جلد ۲ صفحہ ۴۱۹	مطبع اصح المطابع کراچی

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہنا جائز بلکہ صحابہ کی سنت ہے اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو پہلے اس حدیث کے لفظ مٹائے نہ ان الفاظ کو مٹا سکے گا نہ یارسول اللہ کہنے سے روک سکے گا۔

سوال نعرۂ رسالت میں تو یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہتے ہو اور نعرۂ تکبیر میں فقط اللہ اکبر کہتے ہو "یَا اَللّٰہُ اَکْبَرُ" یا "اَللّٰھُمَّ" کیوں نہیں کہتے؟

جواب حدیث پاک میں مذکور ہے کہ صحابہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہتے تھے تو معلوم ہوا کہ سنت یارسول اللہ کہنا ہے نہ فقط رسول اللہ اور نعرۂ تکبیر میں تو مخالف بھی فقط اللہ اکبر کہتا

ہے۔لہٰذا یہ اعتراض تو تم پر بھی عائد ہوگا کہ یا اللہ اکبر کیوں نہیں کہتے؟ تو معلوم ہوا کہ سنت متواترہ فقط اللہ اکبر ہے لہٰذا نعرۂ تکبیر میں فقط اللہ اکبر کہنا چاہیے۔اور نعرۂ رسالت میں مسنون طریقہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ہے۔لہٰذا یا رسول اللہ کہنا چاہیے۔

تنبیہ ذرہ سوچنے کی بات ہے کہ یا کے ساتھ مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے تو جس وقت ہم دعاؤں میں "یَا اَللّٰہُ" "یا" "اَللّٰھُمَّ" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے غافل ہوتا ہے اور یا کے ساتھ ہم اس کو متوجہ کرتے ہیں کیونکہ باری تعالیٰ پر غفلت طاری نہیں ہوتی وہ ان جیسے اُمور سے پاک ومنزہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو کہ جتنا ہم چاہتے ہیں اتنا ہی ہماری طرف مبذول فرما دے اور ظاہر ہے کہ رحمت میرے آقا سرور عالم ﷺ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴿۱۰۷﴾ (پارہ:۱۷،الانبیاء۲۱/۱۰۷)

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپکو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کیلئے (البیان)

اور دوسری جگہ ہمیں سبق دیا کہ "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ" (پارہ:۲۴،الزمر ۳۹/۵۳)

ترجمہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔(البیان)

جب یا اللہ کا مطلب بھی یہی ہوا کہ تیری رحمت ہماری طرف زیادہ متوجہ ہو اور رحمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں تو گویا یا اللہ کہہ کر آقا کو اپنی طرف متوجہ کراتے ہیں لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یا اللہ جائز ہو اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ناجائز حالانکہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہنا "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ" کے تحت رحمت کی پکار ہے جس کی طرف خود باری تعالیٰ اذن فرما رہا ہے کہ اگر میرا تقرب حاصل کرتے ہو تو میری رحمت کے دامن کے اندر آجاؤ۔ جب یہ ثابت ہوا کہ یا اللہ اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کا مطلب واحد ہے تو پھر یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سے روکنا بغیر عداوت کے اور کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے پتھر اور درخت سجدہ کرتے

دیکھئے مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم، صفحہ ۹۰ تا ۹۱ دفتر اول، حصہ تیسرا، مطبع غلام علی اینڈ سنز لاہور میں، رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ایک دن ابوجہل آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنے ہاتھ کے اندر چند کنکریاں چھپائے ہوئے کہنے لگا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو بتاؤ کہ یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں کہوں کہ یہ کیا ہے؟ یا یہ کہیں کہ میں کون ہوں؟ تو ابوجہل نے کہ یہ تو تمام تعجب کی بات ہے۔ کنکریوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر آپ کی رسالت کی شہادت دی۔

اب بولو کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر روح کے حیات پیدا کردی یا نہ؟ تعجب ہے کہ لکڑی اور پتھر میں حیات پیدا کرسکتا ہے اور رسول میں پیدا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ماننا پڑا کہ باوجود روح نکلنے کے حیات باقی ہے۔ جب حیات باقی ہے تو نبوتِ حقیقی باقی رہی۔ کوئی فرق نہیں آیا۔

سوال اگر تم کہو کہ یہ تو آپ نے پتھر اور لکڑی کی بات کی کوئی انسان کی بات کرو؟

جواب تو میں کہوں گا کہ مسلم شریف کی ابتداء میں جو مقدمہ ہے اس مقدمہ میں نووی نے لکھا ہے اور حضرت جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الصدور میں اس واقعہ کو کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور ابونعیم نے (دلائل النبوۃ) میں لکھا ہے کہ تین صحابی حضرت ربیع، حضرت ربعی اور حضرت مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اعلام اُمت میں سے صحیحین کے رواۃ ہیں۔ حضرت ربعی نے قسم کھائی کہ جب تک مجھے جنتی اور دوزخی ہونے کا پتہ نہ چلے گا تب تک کسی کے ساتھ نہ بولوں گا۔

حضرت ربیع اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہما نے قسم کھائی کہ جب تک ہمیں جنتی یا دوزخی ہونے کا پتہ نہ چلے گا اسوقت تک کبھی نہ ہنسیں گے۔ حتیٰ کہ تینوں کا انتقال ہو گیا۔ جب غسال نے غسل دینے کے لیے حضرت ربعی سے چادر اُٹھائی تو حضرت ربعی

کلام کرنے لگ گئے کہ الحمدللہ میں جنتی ہوں۔ میں نے قسم اٹھائی تھی اس لیے اب کلام کیا تا کہ قسم پوری ہو جائے۔ جب تک غسال غسل دیتا رہا حضرت ربعی کلام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ غسل بھی ختم ہوا اور کلام بھی ختم کر دی۔ اب بتاؤ کہ حیات بغیر روح ہے یا نہ؟ اسی طرح حضرت ربیع اور حضرت مسعود نے غسل کے وقت ہنسنا شروع کر دیا۔ بولیں ہنسنا حیات کی دلیل ہے یا نہ؟ جب غلاموں کے غلاموں کا حال یہ ہے تو آقا کی حیات کیسی ہوگی؟

مسلم شریف	جلد اول صفحہ ۷	مطبع اصح المطابع کراچی
دلائل النبوۃ ابونعیم	صفحہ ۳۴۷	مطبع المکتبۃ العصریہ بیروت
دلائل النبوۃ بیہقی	جلد ۶ صفحہ ۴۵۵	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت
حلیۃ الاولیاء	جلد ۴ صفحہ ۲۸۲	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

سوال اگر تم کہو کہ یہ تم نے غلاموں کا حال بیان کیا کوئی حضور کی بات کرو؟

جواب تو میں کہوں گا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخِ اَجل کہتے ہیں اور جو حضور کے ارشاد سے ہندوستان آئے اپنی کتاب شہرۂ آفاق (مدارج النبوۃ) میں لکھتے ہیں کہ

جس وقت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو قبر انور میں رکھا گیا تو سب سے آخری قبر کے اندر دیدار کرنے والے قثم بن عباس ہیں وہ فرماتے ہیں جب قبر انور میں آنحضور کو رکھا گیا اور میں نے آپ کے لب انور کو دیکھا کہ ہل رہے ہیں تو کان لگایا

جب کان لگایا تو سنا کہ آقا فرما رہے ہیں

رَبِّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ

کنزل العمال	جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ حدیث ۴۸۵۲	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اب بتاؤ کہ ہونٹ ہلانا حیات کی دلیل ہے یا نہ؟

فرق اتنا ہے کہ ان کی حیات مستور ہے اور ہماری حیات مستور نہیں ہے۔ مستور ہونا اور ہے معدوم ہونا اور ہے۔ مستور معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

سوال اگر کوئی کہے کہ قبر کے اندر تھوڑی جگہ ہوتی ہے اگر وہاں کسی زندہ کو دفن کیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا جہاں زندہ، زندہ نہ رہے تو وہاں مردہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟

جواب تو میں جواباً کہوں گا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ اس حیات کا حصول عالَمِ برزخ ہے اور ہر عالَم کا حکم علیحدہ ہوتا ہے۔ جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں نو (۹) مہینے رہتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔ اب اگر اس جگہ کسی بڑے کو رکھا جائے تو ایمان سے کہنا کیا ہوگا؟ لہٰذا یہاں بھی کہو کہ بچہ زندہ نہیں ہوتا۔ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ کے اندر زندہ رہ سکتا ہے اسی طرح نبی اس سے زیادہ زندہ رہتا ہے۔

سوال شاید اگر کوئی کہے؟ کہ تم کہتے ہو کہ "یُرْزَقُوْنَ وَ یُصَلُّوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ" یعنی اپنی قبروں میں نماز پڑھتے اور رزق دیے جاتے ہیں۔ اگر آج کوئی ان کی قبر کھول کر زیارت کرے تو نہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھے گا اور نہ کھاتے ہوئے دیکھے گا بلکہ فقط جسم کو پڑا ہوا دیکھے گا۔ لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ اتنی تنگ جگہ میں زندہ رہ کر نماز اور طعام میں مشغول ہوسکیں۔

جواب تو میں عرض کروں گا کہ مثال تو دیتا نفیس۔ میں فقط اتنا کہہ دیتا ہوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ

ترمذی شریف	صفحہ ۵۲۲ حدیث نمبر ۲۲۷۶	مطبع دار السلام الریاض
مسند امام احمد	جلد ۲ صفحہ ۶۴۴ حدیث نمبر ۴۲۸۰	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت
کنز العمال	جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۳ حدیث نمبر ۴۱۴۶۷	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

ترجمہ یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو یقیناً مجھے ہی دیکھ لیا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا۔

اب فرض کرو کہ ایک اللہ کا بندہ نیند کررہا ہے اور خواب میں آپ کا جمال دیکھ رہا ہے تعظیم کر رہا ہے ہاتھ اور پاؤں کو چوم رہا ہے۔ آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھ کر آگے دوڑ رہا ہے اور درد کا فسانہ سنا رہا ہے۔ اب دیکھو کہ خواب والا سن رہا ہے دیکھ رہا ہے دوڑ رہا ہے، تعظیم بجالا رہا ہے مگر ہم کو نظر نہیں آتا۔ ہمارے سامنے ویسے ہی پڑا ہے، آنکھ بند ہے، زبان بند ہے، پاؤں بند ہیں۔ اب اس کے بارہ میں کیا کہو گے؟ کیا انکار کرو گے؟ اگر انکار کرتے ہو تو گمراہ قرار پاتے ہو اور ضالین میں شمار ہو گے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس کے لیے یہ نظارہ حقیقۃً ثابت ہے مگر ہم سے مستور ہے اسی طرح نبی کی حیات حقیقۃً موجود ہے مگر ہم سے مستور ہے اور وہ رزق دیئے جاتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں مگر یہ احکام ہم سے مستور ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی کی حیات حقیقۃً موجود ہے لہٰذا بعثتِ حقیقی میں کوئی فرق نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (پارہ: ۴ آل عمران ۳: ۱۶۴)

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اُس نے اُن میں عظمت والا رسول بھیجا اُن ہی میں سے جو تلاوت کرتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ (البیان)

حضرات! یہ مبارک تقریب جو آپ کے منظر میں موجود ہے۔اس کو حضرت صاحب نے عرس کی تقریب پر مرتب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور ان کو آباؤ اجداد کے نقشے قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اوراُن کی روحانیت سے اِنھیں سرفراز فرمائے۔ان کی محبت نے مجھے حاضر کیا ہے۔اس لیے مجھ سے دعاء نکلتی ہے ان کے بلانے سے مجھے یہ منظر نظر آتا ہے کہ وہ مبارک نورانی ہستیاں ان سے نظر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ آباد وشاد رکھے۔اوران کی عظمتیں ہمیشہ قائم رکھے۔

اب میں "یُزَکِّیْھِمْ" کا معنی ومفہوم بیان کرنے سے پہلے چند مسائل شرعیہ جو اس محفل کے انعقاد کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عرس کا معنی اور عرس کا نظریہ اور اپنا مسلک واضح کردوں اس لیے کہ اہل سنت ہمیشہ اس کے ساتھ وابستہ رہے ہیں اور روحانی نسبت تعلق سے وابستہ ہوتی ہے۔لہٰذا عرس کا اصل مقصد اور حقیقت ذکر کردوں۔

گزارش یہ ہے کہ لفظ عرس اصطلاح میں اُس مبارک تقریب کو کہا جاتا ہے جو کسی بزرگ کے وصال کی نورانی محفل منعقد کی جائے اور اس کے یومِ وصال کے دن خوشی کی جائے۔ جس دن کسی بزرگ کی وفات ہوئی اس دن اس کی روح کو ثواب پہنچانے کا نام عرس ہے آپس میں ایک کا دوسرے کے ساتھ جو روحانی تعلق ہے اس کو تازہ کرنا،قوت دینا یہ درحقیقت مقصد عرس تھا تاکہ باطنی فیض حاصل کرنے کے لیے معتقدین حضرات جمع ہو جائیں۔یہ تھا خلاصہ اس کے متعلق یہاں تبعاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔

سوال سوال یہ ہے کہ حضور کے زمانہ اقدس میں یہ عرس نہ تھے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں یہ طریقہ تھا لہٰذا ایسا فعل جو حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں نہ ہو اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے؟

جواب اس کے بارہ میں میں اتنا کہوں گا کہ یہ نظریہ غلط ہے کہ جو کام حضور یا صحابہ

نے نہ کیا ہواس کی اسلام میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ جس کے جائز ہونے کی دلیل شرعی نہ پائی جائے وہ ناجائز ہے۔ اور اتنی بات کہ جو کام حضور نے نہ کیا ہواس کو ضلالت قرار دیں غلط ہے۔ اس کے بارہ میں دو حدیثیں بخاری کی عرض کرتا ہوں:

نمبر ۱ (حدیث تو یہ ہے)

کہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمۃ الکذاب کے ساتھ جہاد شروع ہوا تو مسلمان خصوصاً وہ کہ جن کے سینوں میں قرآن کی امانت رکھی ہوئی تھی بکثرت شہید ہونے لگے اور وہ وقت ایسا تھا کہ قرآن کسی ورقوں کی صورت میں نہ تھا بلکہ صورت یہ تھی کہ مختلف مقام پر لکھا ہوا تھا کہیں ہڈیوں پر کہیں کھجور کی ٹہنیوں پر کہیں پتھر پر، کہیں ترتیب کے ساتھ اوراق میں جمع نہ تھا مگر سینوں میں جمع تھا۔ تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ قاریانِ قرآن بکثرت شہید ہوئے ہیں اور اگر صورتِ حال یہی رہی تو نہ معلوم قرآن کے کتنا حصہ سے محروم رہ جائیں گے لہٰذا قرآن کو یکجا جمع کیا جائے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" یعنی جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا آپ اُسے کیسے کریں گے؟ تو حضرت عمر نے کہا کہ اے صدیق یہ صحیح ہے لیکن آپ کے نہ کرنے کے باوجود اس کے اندر خیر ہے یا نہ؟ مطلب یہ تھا کہ جب اس کی ممانعت کی دلیل نہیں ہے تو اس سے کیوں رُکیں۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی وہی جواب دیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی کہا کئی مرتبہ یہ سوال وجواب ہوتے رہے۔

حَتّٰى شَرَحَ اللهُ صَدْرِىْ لِمَا شَرَحَ اللهُ صَدْرَ عُمَرَ

ترجمہ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس امر کے لیے اللہ تعالیٰ نے عمر کا سینہ کھولا تھا اس امر کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا اور جان لیا کہ حضرت عمر بہت

خوب مشورہ دے رہے ہیں۔

تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت انصاری کو حکم فرمایا جو کہ کاتب وحی رہے اور صاحب امانت و دیانت تھے تو حضرت زید نے وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو جواب دیا اور اسی طرح سوال و جواب ہوتا رہا۔

حَتّٰی شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِیْ لِمَا شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ

ترجمہ یعنی حضرت زید نے فرمایا کہ جس امر کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا اس امر کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میں نے جان لیا کہ قرآن ضرور جمع کیا جائے۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ یہ ارشاد قیامت تک آنے والے کے لیے ہے یا نہ؟

اب ثابت ہوا کہ جو شخص دین میں ایسے امر کی زیادتی کرے جس کو حضور نے نہیں کیا مگر اس کی اصل پائی جائے تو جائز ہے بشرطِ کہ عدمِ جواز کی دلیل قائم نہ ہو اب قرآن دلیل ہوا کہ جو کام حضور نے نہیں کیا مگر دلیل قائم ہے تو وہ جائز ہے۔ اسی طرح ان اعراس کا اصل مقصد ایصال ثواب ہے اور یہ جائز ہے۔

جیسا کہ حضرت سعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ والدہ فوت ہو گئی ہے اور میں ان کی طرف کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا ان کے نام سے کنواں لگائیں جس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود جنت البقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور فرمایا تم بھی ایسا کرو تو معلوم ہوا کہ کسی قبر پر جانا جائز ہے اور قرآن سے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ اگر یہ بدعت ہے تو قرآن بھی بدعت ہو گا۔ لہٰذا قرآن بدعت ہو نہیں سکتا اس لیے یہ اعراس بھی بدعت نہیں ہو سکتے۔

اگر آج ہم اس اصل مقصد کو فوت کر دیں تو یہ ہماری غلطی ہے ہمیں چاہیے کہ اس غلطی کو

دُور کریں آج تو ہماری نمازوں میں بھی اصل مقصد فوت ہو گیا اسی طرح حج وروزہ کو چھوڑ دو بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس غلطی کو دُور کرو اور اصل مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اسی طرح یہ نہ کہا جائے گا کہ عرس کو چھوڑ دو بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جو زیادتی خلافِ شرع پائی جائے اس کو مٹانے کی کوشش کرو اور عرس سے نہ روکا جائے گا کیونکہ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

ترجمہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولیوں کے ساتھ دشمنی رکھی اس کو میں جنگ کا اعلان دیتا ہوں

بخاری شریف	جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ حدیث ۶۵۰۲	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت
مشکوٰۃ شریف	جلد ۲ صفحہ ۴۲۳، حدیث ۲۲۶۶	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت
کنز العمال	جلد ۷ صفحہ ۳۱۷ حدیث ۲۱۳۲۳	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

اور جس کے ساتھ خدا جنگ کرے وہ کسی حالت میں نجات نہیں پا سکتا۔ لہٰذا جو ولیوں کے ساتھ حسد و بغض رکھے گا وہ نجات سے محروم رہے گا اور عرس کو عرس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عرس ماخوذ ہے حدیث سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن جب قبر میں صحیح جواب دیتا ہے تو حکم ہوتا ہے "نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ" یعنی نیند کر جیسے عروس نیند کرتی ہے۔

ترمذی شریف	صفحہ ۲۵۸ حدیث ۱۰۷۱	مطبع دارالسلام الریاض

اور عروس بغیر دلہن کے نہیں ہوتی لہٰذا عروس کا معنی کیسے ہوگا؟ معنی ایسے ہوگا کہ عروس کا معنی ہے خوشی اور محبوب کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے اور فراق میں غمی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے جب انسان پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے کیونکہ

مَا مِنْ بَنِیْ آدَمَ مَوْلُوْدٌ إِلَّا یَمَسُّہُ الشَّیْطَانُ حِیْنَ یُوْلَدُ، فَیَسْتَھِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَّسِّ الشَّیْطَانِ، غَیْرَ مَرْیَمَ وَابْنِھَا

ترجمہ ہر شخص پیدا ہونے کے وقت روتا ہے کیونکہ شیطان اُسے مس کرتا سوائے بی بی مریم اور عیسٰی علیہ السلام کے۔

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ حدیث ۳۴۳۱	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

کیونکہ "اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ" (سورۂ یوسف آیت ۵) یعنی شیطان انسان کے لیے کھلا دشمن ہے۔ نیز نومولود کو جب جدائی کا تصور آیا تو رویا کہ اے افسوس آج جدائی کا وقت شروع ہو رہا ہے اور محبوب کی جدائی کا تصور رُلا دیتا ہے اور وصال کا تصور ہنسا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ

ترجمہ جیسے خون ہمارے اندر جاری ہو رہا ہے اسیطرح شیطان انسان میں جاری ہو رہا ہے۔ (اور جدائی میں ڈالنے کے لیے کوشاں ہے۔)

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ حدیث ۳۲۸۱	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

سوال اگر کوئی کہے کہ ہم تو نہیں روتے اور وہ لڑکا کیوں روتا ہے؟

جواب تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ہم کو عادی بنا دیا ہے اور لڑکا چونکہ پہلی دفعہ شیطان کے تسلط میں آ رہا ہے اس لیے روتا ہے اور موت کا وقت ایسا ہے کہ فرشتے جب روح قبض کرنے کے لیے آتے ہیں اور محبوب کے وصال کی خوشخبری سناتے ہیں تو مؤمن کی شان یہ ہے کہ موت کے وقت لبوں پر تبسم ہوتا ہے۔

یاد رکھیں کہ اُس وقت گھر والے خوش ہوتے ہیں کہ محبوب آ گیا اور لڑکا اِس لیے رویا کہ فراق آ گیا۔ لڑکا فراق میں رو رہا ہے اور والدین، خویش واقرباء خوش ہو رہے ہیں کہ محبوب آ گیا ہے۔ یہ زندگی کتنی خوش زندگی ہوتی ہے۔

اور یہی اولیاء کی پاک زندگی ہوتی ہے اس لیے حدیث میں عروس کا لفظ آیا کہ محبوبِ حقیقی کی ملاقات کا وقت آ گیا ہے۔ اب اتنی بات ضرور ہوتی ہے کہ شادی کے وقت بعض

راضی ہوتے ہیں اور بعض ناراض اور بعض دینے کے موقع پر کچھ دیتے ہیں اور لینے کے موقع پر کچھ لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ حاضر ہو کر قرآن کا ختم کر کے پڑھ کر پیش کرتے ہیں۔کوئی بکرا وغیرہ ہدیہ پیش کرتے ہیں مالی اور بدنی نذرانے پیش کرتے ہیں مگر جاتے وقت خالی نہیں جاتے لیکن یہ سب کچھ رضا پر موقوف ہے۔ یہ مختصر تذکرہ تھا عرس کا اگر کوئی نہ کرے تو اپنے اکابر کے خیالات کو دیکھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی اور بہت سے دیگر حضرات کا یہی طرز و عمل تھا باقی رہا سُرود وغیرہ تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔لہٰذا اس سے آپ خاموش رہیں۔ اگر کوئی تجاوز کرتا ہے تو یہ اُس کی اپنی کمی ہے۔ہم اللہ والوں کو مانتے ہیں اور اللہ والوں کو ماننا در حقیقت اللہ کو ماننا ہے۔

کسی مسلمان نے کبھی ابوجہل ابولہب وغیرہ ملعونوں کا عرس نہیں کیا بلکہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عرس کرتے ہیں اللہ والوں کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہیں۔لہٰذا اگر کہیں تجاوز ہے تو اُس کو میں ناجائز مانتا ہوں مگر اصل کی طرف سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے مؤمنین پر کہ اُن کے نفسوں میں سے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے جو مؤمنین پر آیات تلاوت فرماتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں پر احسان جتایا جس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور ذرا سوچنا چاہیے کہ احسان کس بناء پر ہے؟ احسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی بناء پر ہے۔ یہاں اتنی بات کو ضرور سمجھیں کہ اگر احسان جتانے کے بعد چیز واپس کر لیں تو احسان کیا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان قیامت تک ہے تو نعمت کا وجود قیامت تک پہلے ماننا پڑے گا۔

"یُزَکِّیہِمْ" کا فاعل حضور ہیں تو پاک کرنے کا مطلب کیا ہے؟ لوگوں نے تو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو تلاوت فرمانا، احکام اور پیغام کو سنا دینا۔اگر یہی مطلب ہے تو قرآن تو فقط

مؤمنین کو نہیں سنایا بلکہ کافروں کو بھی سنایا تو مطلب یہ ہوا کہ ابوجہل وغیرہ تمام پاک ہو گئے! (معاذ اللہ) حالانکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "اِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ نَجَسٌ" یعنی مشرکین پلید ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محبوب ایمان والوں کو پاک کرتا ہے۔ اور پاک کرنے کا مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی کپڑا پلید ہے اُسے پاک کرنا ہے تو پاک کیسے کریں گے کیا پانی ایک جگہ ڈالیں اور کپڑا اُس جگہ سے دور ہو تو کیا وہ کپڑا پاک ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جب تک کپڑے کے اوپر پانی نہ ڈالیں کبھی پاک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ہم دُور ہوں اور آقا دُور ہوں تو ہمیں کیسے پاک کریں گے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آقا ہمارے نزدیک ہیں کیونکہ ہمیں پاک کرتے ہیں اور پاک اس وقت کریں گے جب ہمارے ساتھ ہوں گے۔ جیسے متوضی وُضوء کرتا ہے تو جب تک پانی اس کے اعضاء کو مس نہ کرے گا پاک نہ ہوگا۔ لہٰذا آقا جب تک مؤمن کے دل میں نہ ہوں تو اُس دل کو پاک کیسے کریں گے بلکہ یہ ایمان ہے کہ جس دل میں محبوب نہیں وہ دل پاک بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

نبی مؤمنوں کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (پارہ:۲۱، سورۂ احزاب ۳۳:۶)

ترجمہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مؤمنین کے نفسوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ہماری جانیں جدا ہوں تو ہو جائیں مگر آقا کبھی دُور نہیں ہوتے۔ ہم دور ہیں مگر محبوب دور نہیں ہے۔ تم کہو گے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو میں کہوں گا وہ دور نہیں ہم دور ہیں کیونکہ یہ وہ قرب و بعد ہے کہ زمان و مکان سے بعید ہے۔

علامہ رومی کا چور اور جوہری کا سفری واقعہ بیان فرمانا

رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک جوہری سفر پر جارہا تھا تو چور نے سوچا کہ میں اس

سے مصاحبت کرلوں تا کہ کسی طریقہ لعل چرالوں۔اس خیال سے چور جوہری کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میں آپ کے ساتھ رفیق سفر ہونا چاہتا ہوں تو جوہری نے رفاقت اختیار کرلی۔اب دونوں سفر کررہے ہیں جب رات کو نیند کا وقت آتا ہے تو چور نے کہا کہ دونوں اکٹھے نہیں سوتے کیونکہ مخالف کی مخالفت کا خوف ہے لہٰذا آدھا حصہ رات کا تم جاگو اور دوسرا حصہ رات کا میں جاگوں گا۔اب چور جس وقت سو گیا اور جوہری جاگ رہا ہے تو جوہری نے اپنی جیب سے لعل کو نکال کر چور کے کپڑوں میں چھپادیا۔ اب اس کے سونے کا وقت آیا تو چور کو جگایا کہ اب تیرا وقت آگیا ہے۔تو چور جاگا جب دیکھا کہ جوہری کو خوب نیند آگئی ہے تو جوہری کے کپڑوں کی تلاشی لینا شروع کردی تا کہ لعل کہیں سے مل جائے۔ تمام کپڑے الٹا مارے مگر کہیں سے لعل نہ ملا۔ بہت پریشان ہوا۔ جب صبح ہوئی تو جوہری نے اٹکل سے لعل کو چور کے کپڑوں سے نکال کر اپنی جیب میں لے لیا۔تو دن کو چور نے دیکھا کہ لعل جوہری کے پاس ہے تو بڑا حیران ہوا کہ رات کو تمام کپڑوں کو میں نے الٹا مارا کہیں لعل نہ ملا مگر دن کو اس کے پاس دیکھا۔ مگر اُسے معلوم نہ ہوا کہ لعل تو تمام رات میرے پاس تھا لیکن مجھ سے مخفی تھا۔ مجھے معرفت نہ تھی کہ لعل میرے پاس ہے یا نہ۔اسی طرح رات دن کو ایسا معاملہ ہوتا رہا یہاں تک کہ سفر طے ہوگیا۔ جب سفر ختم ہوا تو چور نے کہا اب تو کچھ نہ بنا مگر اس سے پوچھ تو لوں کہ رات کو لعل کہاں چھپایا کرتا تھا تو چور نے پوچھا کہ جوہری صاحب میں تو لعل چرانے کے لیے آپ کا رفیق بنا مگر اپنے مقصد سے دُور رہا۔اب ذرا بتاؤ تو سہی کہ لعل کہاں ہوتا تھا؟ تو جوہری نے کہا کہ لعل تیرے قریب تھا مگر تو اس سے دُور تھا۔اگر تجھے معرفت ہوتی کہ لعل میرے پاس ہے تو اپنی گود سے نکال لیتا مگر تجھے معرفت نہ تھی

اس لیے محروم رہا۔ لہٰذا آقا ہمارے نزدیک مگر ہم دُور ہیں کیونکہ معرفت نہیں ہے اور جہاں معرفت نہ ہو وہاں دوری ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (پارہ ۲۶، سورۃ ق ۵۰:۱۶)

ترجمہ یعنی میں شہ رگ سے زیادہ تمہارے قریب ہوں۔

تو کیا تمام بزرگ ہوئے؟ ابوجہل اور ابولہب بزرگ ہو گئے؟ تمام کفار بزرگ ہو گئے؟ حالانکہ اللہ ان کے بھی قریب ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا جہاں معرفت نہ ہو وہاں دُوری ہوتی ہے اور جہاں قرب ہوتا ہے وہاں معرفت ہوتی ہے اور اس معرفت کا نام محبت ہے اور جب محبت کے جلوے مؤمن کے قلب میں جلوہ زن ہوئے تو وہ دل یقیناً پاک ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا محبوب سناتا تو ہر ایک کو ہے مگر پاک مؤمنین کو کرتا ہے۔ تو دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو گہوارۂ محبت بنادے اور ان حضرات کا اعتقاد باقی رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے متعلق فیصلہ

سوال بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ گستاخی کا لفظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ وجدال کیا اب ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کے متعلق کیا عقیدہ رکھیں؟

جواب اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، خطاء اجتہادی پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے لیکن ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معاذ اللہ کچھ گستاخانہ لفظ استعمال نہیں کر سکتے بلکہ وہ بے ایمان ہے جو آپ کی گستاخی کرے کیونکہ آپ کی خطا خطائے اجتہادی تھی اور مجتہد بہر کیف مُصِیب ہوتا ہے کسی عناد وغیرہ سے معاذ اللہ جنگ وجدال بالکل نہ تھا بلکہ وہ عناد وبغض اور نفسانیت سے مبراء تھے اور حق نگاہ میں تھا۔ بلکہ میں تو تعجب کرتا ہوں اس بے ایمان سے جو آپ کو بُرا کہتا ہے کیونکہ ذرا آپ کا شان تو دیکھو کہ جہاں غوث وقطب مقابلہ نہیں کر سکتے وہاں اس بے ایمان کو کیا مجالِ گفتگو ہے۔ اللہ جل مجدہٗ فرماتا ہے

"اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۳"

(پارہ ۲۶، سورۂ حجرات: ۳)

ترجمہ یعنی یہ صحابہ وہ حضرات ہیں کہ جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لے لیا ہے کہ وہ تقویٰ پر ہیں اور اُن کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی نگاہوں سے آنحضرت کا دیدار کیا ہو اور اسی روشنائی سے انتقال فرمایا ہو۔ تو یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہی معظم ومکرم ہیں کہ جن کو نعمتِ دیدار نصیب ہوئی ہے اور یہ وہ نعمت ہے کہ کسی کو آج میسر نہیں ہو سکتی اور ایسی عظیم نعمت

والوں کو اگر کوئی کچھ کہے تو اس کی اپنی بیوقوفی ہے۔ اگرچہ مخالف ہزار دفعہ بھونکتا رہے تو کسی صورت میں صحابہ کے شان کی کمی نہیں ہوسکتی بلکہ صحابہ کا تو یہ شان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى عِيْسٰى ابْنِ مَرْيَمَ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِىْ ذَرٍّ غِفَارِىِّ

ترجمہ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھنا پسند کرے وہ ابوذر غفاری کی طرف دیکھ لے۔

کنز العمال	جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۶ حدیث ۳۳۲۱۸	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

یہ آنحضرت کی صحبت کا رنگ ہے اسی طرح جنگ کے موقعہ پر ایک مرد نے کہا اگر میں ایمان لاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "فِى الْجَنَّةِ" تو اُس مرد نے نورِ توحید سے منور ہو کر تلوار کو اٹھایا اور جنگ شروع کر دی اور جامِ شہادت نوش فرمایا تو بتاؤ کہ یہ مرد جس نے ایک سجدہ نہیں کیا اس کا کوئی مقابلہ کرسکتا ہے؟

ایمان سے کہتا ہوں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا کیونکہ اس کو دیدار کی نعمت نصیب ہوئی اور یہ وہ نعمت ہے کہ لاکھوں برس کی عبادت اس نعمت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لہٰذا کون ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقابلہ کرے اور اجتہادی غلطی غلطی شمار نہیں کی جاتی جیسا کہ بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۵۹۱ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ نِ الْعَصْرَ اِلَّا فِىْ بَنِىْ قُرَيْظَةَ

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۵۹۱	مطبع اصح المطابع نور محمد کراچی

ترجمہ یعنی اے صحابہ بنی قریظہ پر جنگ کرنی ہے لہٰذا تم میں سے کوئی نماز عصر نہ پڑھے مگر قریظہ میں۔

جس وقت صحابہ روانہ ہوئے تو اتفاقاً نماز عصر کا وقت راستہ میں آ گیا۔ اب صحابہ میں اختلاف پڑ گیا کوئی کہتے ہیں کہ نماز پڑھ لو کیونکہ حضور کے فرمان مقدس کا مقصد یہ تھا کہ

جلدی تیاری کرو اب قدرۃً نماز کا وقت راستہ میں آ گیا ہے لہٰذا نماز پڑھ کے جانا چاہیے اس لیے ان صحابہ نے نماز راستہ میں پڑھ لی اور بعض صحابہ نے کہا کہ حضور نے فرمایا کہ نماز بنی قریظہ میں پڑھو لہٰذا قضاء ہو یا ادا ہم وہاں جا کر پڑیں گے۔ اس لیے ان صحابہ نے نماز راستہ میں ادا نہ کی۔ تو جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں دونوں گروہ حاضر ہوئے اور یہ معاملہ پیش کیا۔

"فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ" یعنی آپ نے اُن میں سے کسی کو نہ دھمکایا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اجتہادی غلطی کو ہم غلطی نہیں کہہ سکتے اس کے علاوہ وہ حضرات جو ہم عصر ہوں اور اُن میں قدرِ مشترک پایا جائے تو ان کا قیاس ہم اپنے اوپر نہیں کر سکتے بلکہ ان کا اختلاف ان پر چھوڑا جائے گا۔ جیسا کہ دیکھو کہ نبی کی داڑھی پکڑنا غصہ سے گستاخی ہے اور نبی کی گستاخی کفر ہے۔ اب قرآن پڑھ کر دیکھو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ کے اندر آ کر ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑ لی تو معاذ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگاؤ گے؟ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتے اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ سیئہ قبیحہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔

سوال بعض لوگ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کیا یہ کہنا صحیح ہے یا نہ؟ ہمیں اس کے متعلق کیا کہنا چاہیے؟

جواب یزید بے شک فاسق و فاجر اور دشمنِ اہلبیت تھا لیکن نام لے کر لعنت کرنا ممنوع ہے بلکہ توقف بہتر ہے۔ اور کسی حدیث میں نہیں کہ خاص یزید کی طرف آنحضرت نے اشارہ فرمایا ہو کہ وہ مغفور ہے۔

سوال اگر کوئی کہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے سے اس لشکر کے متعلق فرمایا جیسا کہ احادیث میں واقع ہے۔

مثلاً بخاری جلد اول صفحہ ۴۱۰ باب ما قیل فی قتال الروم (جیش مغفور) یعنی وہ لشکر

مغفور ہے اور یزید بھی اس لشکر میں تھا لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ یزید مغفور ہے؟

جواب تو ہم کہیں گے کہ ہم مانتے ہیں کہ آنحضرت نے اس جیش کو مغفور فرمایا اور یقیناً وہ جیش مغفور ہے۔ لیکن یزید اگرچہ جیش میں داخل ہے تو پھر بھی جیش میں داخل ہو کر مغفرت میں داخل نہیں جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ" (پارہ ۱۸، سورۂ مؤمنون: ۱۲)

ترجمہ یعنی ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر اُس کو نطفہ بنا کے رحم میں قرار دیا۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان کی خلقت اسی طرح ہے کیونکہ الانسان میں الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی جمیع انسان کی خلقت اسی طرح ہے مگر ظاہر ہے کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام اگرچہ انسان میں شامل ہیں لیکن انسان میں داخل ہو کر" وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ " (سورۃ المؤمنون آیت ۱۲، ۱۳) یعنی ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر اُس کو نطفہ بنا کے رحم میں قرار دیا۔

میں داخل نہیں ہیں کیونکہ وہ کسی نطفہ سے پیدا نہیں کیے گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی نطفہ سے پیدا نہیں کیے گئے۔ حالانکہ انسان میں وہ بھی شامل ہیں۔ اسی طرح جیسے حضرت آدم وحواء وعیسیٰ علیہم السلام انسان میں داخل ہو کر نطفہ کے حکم کے تحت نہیں ہیں ایسے ہی یزید جیش میں داخل ہو کر مغفرت میں شامل نہیں ہے۔

سوال وہاں تو قرینہ ہے کہ حضرت آدم وحواء وعیسیٰ علیہم السلام نطفہ سے پیدا نہیں کیے گئے کیونکہ قرآن واحادیثِ کثیرہ اس امر پر دال ہیں اور یہاں کونسا قرینہ ہے کہ مغفرت میں شامل نہیں ہے؟

جواب مسلم شریف کی حدیث

مَنْ أَرَادَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ بِسُوْءٍ، أَذَابَهُ اللهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ

مسلم شریف	جلد ۲ صفحہ ۳۲۰ حدیث ۱۳۸۷	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت
ابن حبان	جلد ۶ صفحہ ۲۰، حدیث ۳۷۲۹	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

ترجمہ جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا وہ ایسے پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے

مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

ابن حبان	جلد ۶ صفحہ ۲۰، حدیث ۳۷۳۰	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

ترجمہ جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا اُس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت۔

الْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوٰى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ،

مسلم شریف	جلد ۲ صفحہ ۳۱۴ حدیث ۱۳۷۱	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

ترجمہ مدینہ حرم ہے لہٰذا جو شخص مدینہ میں کوئی بدعت نکالے گا یا کسی بدعتی کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

اور ظاہر ہے کہ یزید نے مدینہ والوں کو کتنا ستایا ذرا جنگ حرّہ کا واقعہ دیکھو کہ یزید نے مسلم بن عقبہ کو سالارِ لشکر بنا کر بھیجا اور اُس نے ایسا کام کیا کہ تین دن مدینہ کی نالیوں میں خون جاری رہا۔ مدینہ کے کوچے خون سے سرخ ہو گئے اور مسجد نبوی میں تین دن تک جماعت نہیں ہوئی، اذان نہیں ملی۔ اور سعید بن مسیب تابعی مسجد کے گوشہ میں چھپے رہے۔

"کَانَ لَایَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوۃِ"

مشکوٰۃ شریف	صفحہ ۵۴۵	مطبع مجتبائی دہلی

یعنی حتیٰ کہ آپ کونماز کے وقت کا پتہ نہ چلتا۔اور ہر نماز کے وقت سرکاردوعالم ﷺ کے مزار اقدس سے آواز آتی جس کوسن کر سعید بن مسیب نماز ادا کرتے۔اب ذرا سوچیے کہ اگر آنحضرت ﷺ معاذ اللہ مردہ ہیں تو سعید بن مسیب کو کیسے آواز دیا کرتے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا ہے۔تو اہل مدینہ کوستانا قرینہ ہے عدمِ مغفور ہونے کا۔

بکھرے موتی

سوال سو(۱۰۰) کا نوٹ بھی کاغذ ہے اور ردِّی کا کاغذ بھی کاغذ ہے مگر سو کا نوٹ باکمال حفاظت بٹوے میں اور جیب میں کیوں؟ اور ردِّی کاغذ سڑکوں اور نالیوں میں کیوں؟

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ ردِّی کاغذ ایک معمولی کاغذ ہے۔اور سو کے نوٹ کا کاغذ وہ کاغذ ہے جس پر پاکستان کی مہر حکومت لگائی گئی ہے۔لہٰذا یہ کاغذ اب کاغذ ہی نہیں رہا بلکہ ایک بیش قیمت بن گیا۔اس طرح تمام بشر ایک معمولی بشر ہیں اور حضور اکرم ﷺ ایک ایسے بشر ہیں جن پر رحمٰن کی مہرِ نبوت لگ چکی ہے لہٰذا اب آپ ایک گراں قدر رسول اور پیغمبر ہیں۔پاکستان کی مہرِ حکومت تو ایک عام کاغذ کو سو کا نوٹ بنا دے لیکن رحمٰن کی مہرِ نبوت نبی اکرم ﷺ کو تمہارے جیسے بنا دے؟ بڑی تعجب خیز کلام ہے۔

مسئلہ حاضر و ناظر قسط نمبر 1

حاضر اس موجود کو کہتے ہیں جو غائب بھی ہوسکے اور ناظر آنکھ کی پُتلی سے دیکھنے والے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ غائب ہوسکتا ہے نہ آنکھ کی پُتلی سے دیکھتا ہے کیونکہ وہ جسم و جسمانیت سے پاک ہے لہٰذا حقیقی معنی کے لحاظ سے خداوند تعالیٰ کو حاضر و ناظر نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے قرآن کریم و احادیث میں کسی جگہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام حاضر و ناظر نہیں آیا۔ ہاں البتہ مجازی معنی کے اعتبار سے سمیع و بصیر و شہید کے معنی میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہہ سکتے ہیں۔ حقیقی معنی کے اعتبار سے حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہیں بلکہ اس کے حبیب ﷺ کی شان کے لائق ہے۔ اس طرح کہ آپ مخلوق ہونے کی حیثیت سے غائب بھی ہوسکتے ہیں اور جسمانی ہونے کی وجہ سے آنکھ کی پُتلی سے بھی دیکھتے ہیں۔ حاضر و ناظر ہونا دو طرح ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ اپنی ذات اور وجود کے ساتھ موجود ہو اور دیکھے۔ دوسرے یہ کہ ذات اور وجود ایک جگہ ہو اور آپ کی نظر اور علم میں ہر ایک چیز ہو۔ اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی قید سے پاک ہے اگر اس کے حبیب ﷺ کو ہر زمان و مکان میں مانا جائے تو یہ شرک نہیں اس لیے کہ شرک اس وقت ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں شرکت ہو اور ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ زمان و مکاں کی تحدید و تقیید سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اگرچہ حضرات صوفیائے کرام نے ذات اقدس اور علمِ مبارک دونوں کے ساتھ حضور کریم ﷺ کو حاضر و ناظر مانا ہے جیسا کہ تفسیر روح البیان اور دوسری مستند کتابوں سے معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ یہ دعویٰ ایسے دلائل سے ثابت ہوتا ہے جن کے منکر کو ضال اور مضل کہہ سکتے اس لیے ہم پہلی صورت سے قطع نظر کرتے ہوئے دوسری صورت پر کلام کرتے ہیں۔

طبرانی نے بسندِ صحیح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا

ترجمہ فرمایا رسول کریم ﷺ نے بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام دنیا کو اٹھا لیا تو میں اس دنیا کو دیکھ رہا ہوں اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہوگا سب کچھ دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنی اس کفِ دست مبارک کو دیکھ رہا ہوں۔

معلوم ہوا کہ قیامت تک ہر شے کو رسول اکرم ﷺ اپنی نظر اقدس سے دیکھ رہے ہیں۔ علماً حاضر و ناظر ہونے کا یہی معنی ہے جو شخص حدیث رسول اکرم ﷺ کا انکار کرے وہ گمراہ بے دین ہے لہٰذا ماننا پڑے گا اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک ﷺ اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہیں۔ "لِلّٰہِ الْحَمْدُ" دلائل حاضر و ناظر از احادیث صحیحہ از ابوداؤد

اَنَا اَوْلٰی بِکُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِہٖ

ترجمہ میں ہر مؤمن کے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

ابوداؤد	جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ حدیث ۲۹۰۰	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اس حدیث پاک نے نبی ﷺ کے حاضر و ناظر کے مسئلہ کو حل فرمایا اگر تم مؤمن ہو تو آپ کا حاضر و ناظر سمجھنا تمہارے لیے ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے "بِکُلِّ مُؤْمِنٍ" کی قید لگائی۔

اعتراض اگر نبی اکرم ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو معراج کی رات لامکان پر کیوں تشریف لے گئے ثابت ہوا کہ ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے ورنہ جانے کا کیا مطلب؟

جواب خدا تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے "وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" (سورۂ ق آیت ۱۶) یعنی خدا شہ رگ سے بھی زیادہ قریب۔ جب اس نے نبی ﷺ کو لامکاں پر بلایا اور "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" (سورۂ نجم آیت ۹) فرمایا تو اس کے حاضر و ناظر ہونے میں کوئی فرق لازم نہیں آیا تو آپ کے تشریف لے جانے سے بھی آپ کے حاضر و ناظر ہونے میں فرق لازم نہیں آئے گا۔

جواب (۲) قرآن کریم پارہ ۲ "وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا" (سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں

باشد رسول بر شُما گواہ ز ہر آنکہ او مطلع است و بیند بنورِ نبوۃ بر احوال شما وبر اقوال شما بر کفر و نفاقِ شما

غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب احوال کے نگران ہیں۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں

باچندیں اختلاف مذہب کہ در علماءِ اُمت وارد است ہیچکس را دریں مسئلہ اختلاف نیست کہ آنحضرت ﷺ بر اقوال و احوال امت حاضر و ناظر است پیش نظر ش بود جملہ بلاد۔ از اں سبب نامش خدا شاھد نہاد۔

اب آدمی کچھ اور ہماری نظر میں ہے
جب سے سنا ہے یار لباسِ بشر میں ہے
وہ گنجِ حسن ہے دل پنہاں میں جلوہ گر
فضلِ خدا سے دولتِ کونین گھر میں ہے

مسئلہ حاضر و ناظر قسط دوئم

دنیا کی کوئی چیز نہیں جو حضور ﷺ کے نورانی اور روحانی تجلی سے خالی ہو بلکہ آقائے دو عالم ﷺ کا تعلق تمام اشیاء سے ہے جس کا معنی حاضر و ناظر ہے جس کی تفصیل قسطِ اول میں گزر گئی ہے۔ اب فقط ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سوال اگر حضور ﷺ کو حاضر و ناظر مانتے ہو تو تم امام کیوں بنتے ہو؟ اور آپ نے ہجرت کیوں کی اور معراج کیوں کیا کیونکہ انسان جاتا وہاں ہے جہاں پہلے نہ ہو جہاں خود موجود ہو وہاں جانے کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں خلافت کا کوئی

معنی نہ رہے گا کیونکہ جس وقت بادشاہ موجود ہو تو اس کے ہوتے ہوئے تخت پر بیٹھنے کا کوئی حق دار نہیں؟

جواب ہجرت فرمانا یا معراج فرمانا خلافت کے احکام کا جاری ہونا جسمانیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اسی طرح امامت کا مسئلہ رہا کیونکہ امام وہ ہوتا ہے جو مع جسمانیت موجود ہو فقط روح امام نہیں بنتا اور ہمارا حاضر و ناظر ماننا روحانیت کے اعتبار سے ہے۔ بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ جو شخص رسالت کا اقرار کرتا ہے وہ اس مسئلہ کو ضرور مانے گا کیونکہ رسالت کا مطلب بھی یہی ہے کہ مرسل الیہ کے ساتھ علمی عملی رابطہ قائم ہو اور ظاہر ہے کہ میرے آقا جمیع اشیاء کی طرف رسول ہیں تو ماننا پڑا کہ ہر شے کے ساتھ میرے آقا کا علمی اور عملی رابطہ قائم ہے جب یہ رابطہ قائم ہو تو حاضر و ناظر کا مسئلہ خود واضح ہو گیا کیونکہ حاضر و ناظر ہونا دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اپنی ذات اور وجود کے ساتھ موجود ہو اور دیکھے اور دوسرا یہ کہ ذات اور وجود ایک جگہ ہو اور اس کی نظر اور علم میں ہر چیز ہو۔ (واللہ اعلم)

عِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ کا جواب

سوال اگر حضور اکرم ﷺ کو علم غیب ہو تو اس آیت کا کچھ معنی نہ رہے گا کیونکہ یہاں حصر ہے کہ "لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ" بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم غیب نہیں؟

جواب مفاتیح مفتاح کی جمع ہے اور مفتاح کا معنی ہے کنجی اور کنجی وہاں ہوتی ہے جہاں تالا ہو کیونکہ جہاں تالا نہ ہو وہاں کنجی کا خیال بھی قائم نہیں ہوتا اور تالا وہاں ہوتا ہے جس کو کبھی کھولا جائے۔ جو ہر وقت کھلا ہوا ہو وہاں تالے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی تو مطلب یہ نکلا کہ غیب کے خزانوں کو تالے لگے ہوئے ہیں اور کنجیاں اللہ تعالیٰ

کے پاس ہیں تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ جب ان خزانوں کو کھولتا ہے تو کس پر کھولتا ہے اگر آپ اپنے اوپر کھولتا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی پہلے علم نہ تھا اور اگر غیروں پر کھولتا ہے تو وہ غیر کون ہیں وہ زمرۂ رُسل ہیں کیونکہ یہ تمام خلق سے برگزیدہ ہیں۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پارہ:۲۹،جن ۲۷:۷۲)

ترجمہ تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جنھیں پسند فرمالیا جو اُس کے (سب) رسول ہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

(پارہ ۴ سورۂ آل عمران ۱۷۹:۳)

ترجمہ اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے ہاں اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

اگر آیت کا مطلب وہی ہوتا جو مخالف کہتا ہے تو چاہیے یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کے سامنے اعلان کر دیتے کہ میرے پاس کوئی خزانے وغیرہ نہیں ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا

اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ وَفِىْ رِوَايَةٍ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۵۸۵، ۶۲۸	مطبع اصح المطابع کراچی
مسلم شریف	جلد اول صفحہ ۱۹۹	مطبع اصح المطابع کراچی

یعنی خزائن ارض کی کنجیاں میرے پاس ہیں اب بتاؤ اس کا کیا جواب دو گے؟ معلوم ہوا جو مطلب تم نے سمجھا ہے غلط ہے بلکہ یہاں ذاتی اور عطائی کا ذکر ہے۔ "عِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ" میں ذاتی کا ذکر اور حصر ہے اور "اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ" میں عطائی کا بیان ہے۔ (واللہ اعلم)۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ

(پارہ:۱۰،سورۂ توبہ:۳۳)

الحمدللہ! کہ آج متبرک رات میں نورانی رات میں نورانی بارگاہ کی حاضری کا شرف ملا کیونکہ یہ وہ مقدس در ہیں کہ جن سے خدا کی رحمت حاصل ہوتی ہے جن کو ان بارگاہوں سے کوئی تعلق نہیں وہ یقیناً اُخروی اور باطنی و روحانی نعمت سے محروم ہیں اور جس کو تعلق ہے وہ اُخروی اور باطنی اور روحانی فیض سے مستفیض ہوتا ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ کچھ رہے نہ رہے مگر ان کا اعتقاد باقی رہے۔ تمام بارگاہوں کا سہارا بارگاہِ غوثیت ہے سب کو ان سے ملتا ہے۔ بلکہ بارگاہِ رسالت تک ان کے بغیر کوئی پہنچ نہیں سکتا جب بارگاہ رسالت تک رسائی نہیں ہوتی تو بارگاہِ اُلوہیت میں کیسے جا سکتا ہے۔ یہ وہ ہیں کہ جو تمام اولیاء کرام کے پشت پناہ ہیں اور تمام کی عزت و عظمت ان کے ذمہ ہے بدنصیب ہیں وہ جو اُن کی بارگاہ سے متنفر ہیں اور بہت خوش نصیب ہیں وہ جو اُن سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

کسی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ یہ بتاؤ کہ گیارہویں کہاں سے شروع ہوئی اور یہ رواج صحیح ہے یا غلط؟ مستند حوالہ بیان کیا جائے؟

تو اس کے متعلق میں اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ گیارہویں کی خصوصیت جس کے لیے ہم کتاب و سنت سے دلیل ثابت کریں اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہم محض اپنا تعلق پیدا کرنے کے لیے ثواب کا ہدیہ پیش کرتے ہیں تو اس کو ہر مسلمان مانے گا کیونکہ یہ ایک امر بدیہی ہے جس کی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی دلیل طلب کرے گا۔

مشکوٰۃ شریف۔۔۔میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسالت مآب کی بارگاہ میں

حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ فوت ہوگئی ہے اور میں کچھ ان کی طرف ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک کنواں لگوا لو اور اس کا ثواب تیری والدہ کو ملتا رہے گا اب اس کنوئیں کا نام بئرِ اُم سعد (سعد کی ماں کا کنواں) ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ کسی چیز کا غیر کے نام سے موسوم ہونا شرک نہیں بلکہ جائز ہے اور میں یہ کہوں گا کہ کسی چیز کا کسی بزرگ کے نام سے موسوم ہوجانا موجب اجر ہے۔ اب ذرا سوچنے کا مقام ہے کہ جس کا اصل کتاب وسنت سے معلوم ہوتو وہ کیسے ناجائز ہوسکتا ہے۔ باقی رہی خصوصیت کی دلیل تو اس کے لیے اتنا ذہن نشین فرمالینا چاہیے کہ یہ جو مُدَرِّس پڑھاتے ہیں اور تنخواہیں لیتے ہیں کیا صحابہ نے بھی تنخواہ لی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ جن کا سینہ مخزنِ احادیث تھا، کیا اُنہوں نے بھی تنخواہ لی تھی کیا صدیق اعظم، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تنخواہ لی تھی؟

لٰہذا تمہارا ہر ایک کام کو بدعت قرار دے کے خاص کروہ فعل کہ جس کا ماخذ کتاب وسنت ہو اس کو ناجائز کہنا ناجائز ہے اسی طرح مسجدوں کے مینارے وغیرہ بنانا اور یہ نقش و زینت کا کہاں ثبوت ہے۔ لٰہذا پہلے ان میناروں کو بھی گراؤ کیونکہ یہ بھی بدعت ہیں اگر کوئی انگوٹھے چوم لے تو کہیں یہ بدعت ہے کیونکہ ضعیف حدیث سے ثابت ہے اور گردن کا مسح کرنا جو ہر متوضی اس پر عمل کرتا ہے یہ بھی ضعیف حدیث سے ثابت ہے تو کیا اِس کو کوئی بدعت کہے گا ہرگز نہیں! تو ثابت ہوا کہ جو عمل بھی حدیث ضعیف سے ثابت ہو وہ ہرگز بدعت نہیں ہوتا بلکہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا تمام محدثین ومفسرین کے نزدیک قابل قبول، معتبر اور باعثِ اجر وثواب ہے۔ لٰہذا تعجب ہے کہ اس پر تو عمل کرتے ہیں اور انگوٹھے چومنے کو بدعت وگمراہی قرار دیتے ہیں۔

اب لامحالہ کہنا پڑے گا کہ جو کام ثواب کی نیت سے کیا جائے وہ جائز ہے تو بتاؤ کہ گیارہویں ثواب کی نیت سے کی جاتی ہے یا نہ؟ اگر ثواب کی نیت سے کی جاتی ہے اور

اس کا اصل بھی حدیث سے موجود ہے تو یہ کیسے ناجائز ہوسکتی ہے اور کیسے بدعت و گمراہی سے منسوب کر سکتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے ہندوستان میں آئے اور فیض کا چشمہ جاری فرما کر دور دور تک فیض پہنچایا اور لاکھوں خشک اور بے تابوں کو سیراب فرمایا بلکہ یہ وہ ہیں جن کے شرف کو مخالف بھی مانتا ہے کہ آقا کے دربانوں میں سے ہیں یہ اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ نولکشور میں تحریر فرماتے ہیں

وَ قَدِ اشْتَهَرَ فِیْ دِیَارِ نَا هٰذَا الْیَوْمُ اَلْحَادِیْ عَشَرَ وَ هُوَ الْمُتَعَارَفُ
عِنْدَ مَشَائِخِنَا مِنْ اَهْلِ الْهِنْدِ مِنْ اَوْلَادِهٖ كَذَا ذَكَرَ شَیْخُنَا وَ
سَیِّدُنَا السَّیِّدُ الْبَهِیُّ الرَّضِیُّ الْوَصِیُّ اَبُو الْمَحَاسِنِ السَّیِّدُ الشَّیْخُ
مُوْسٰی الْحَسَنِیُّ الْجِیْلَانِیُّ بْنُ الشَّیْخِ الْكَامِلِ الْمُعَارِفِ الْمُعَظَّمِ
الْمُكَرَّمِ اَبِیْ الْفَتْحِ الشَّیْخِ الْحَامِدِ الْحَسَنِیِّ الْجِیْلَانِیِّ نَقْلًا مِّنْ
اَوْرَادِ الْقَادِرِیَّةِ تَصْنِیْفُ الْمَخْدُوْمِ الْاَعْظَمِ الْاَكْرَمِ الْاَمْجَدِ
الْاَفْخَمِ وَلِیُّ اللهِ بِالْاِتِّفَاقِ الَّذِیْ یُقَالُ لَهُ الْمَخْدُوْمُ الثَّانِیُّ وَالشَّیْخُ
عَبْدُ الْقَادِرِ الثَّانِیُّ قُدِّسَ رُوْحُهٗ مِمَّا نَقَلَ فِیْهِ عَنْ آبَائِهِ الْكِرَامِ
وَرَحْمَةُ اللهِ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ

لہٰذا ان کے طریقوں پر چلنا باعثِ نجات ہے اور اللہ جل مجدہٗ نے بھی ہمیں یہی راہ بتایا ہے ہر ایک نمازی اپنی نماز میں اور ہر ایک رکعت میں یہی دعاء مانگتا ہے ۔"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" یعنی اے میرے مولا مجھے راہِ مستقیم پر چلا اور راہِ مستقیم کیا ہے وہ اِن لوگوں کی راہ ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔۔۔

ثابت ہوا کہ نجات کا دارومدار ان ہستیوں کے دامن سے وابستہ ہونے میں ہے۔

میں پہلے عرض کر رہا تھا کہ اولیاء اللہ کے بغیر بارگاہِ رسالت تک رسائی نہیں ہوسکتی اور جب تک بارگاہِ رسالت تک رسائی نہ ہوئی تو بارگاہِ اُلوہیت میں کیسے پہنچے گا؟ بے شک دین کی جڑ اور بنیاد اصل توحید ہے اور توحید کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات اور صفات میں وحدہٗ لاشریک جاننا اور ماننا کیونکہ جاننے کے بغیر ماننا ہوتا نہیں اور ہر جاننا ماننا نہیں ہوتا۔ ماننا حقیقت توحید ہے لیکن جاننے کا ذریعہ تو ذرا ڈھونڈو جاننے کا ذریعہ کیا ہے؟ بتاؤ بغیر دیکھے تم اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہو یا نہ۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے خدا کو دیکھا ہو؟ ارے جب موسیٰ کلیم اللہ نے نہیں دیکھا تو تم نے کیسے دیکھ لیا۔ جب کلیم اللہ نے عرض کی "رَبِّ اَرِنِیْ" تو ارشاد ہوا "لَنْ تَرٰانِیْ" تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔

سوال شاید اگر کوئی کہہ دے کہ امر جب بارگاہِ ایزدی میں کیا جائے تو وہاں دعاء مراد ہوتی ہے جیسے "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کی دعاء رد کر دی جب کلیم کی دعاء رد کی گئی تو اولیاؤں کی دعاء کیسے مقبول ہوسکی ہے؟

جواب تو میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے دعاء کو رد نہیں کیا بلکہ وہ مؤمنین کی دعاؤں کو بھی رد نہیں کرتا اگر تم کہو کہ ہماری بہت سی دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو میں کہوں گا کہ ہماری وہ دعائیں اس قابل نہیں کہ قبول ہوں۔

سوال پھر اگر تم کہو کہ کیا حضرت موسیٰ کی دعا بھی اس قابل نہ تھی؟

جواب تو میں کہوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء رد نہیں کی گئی بلکہ فرمایا کہ اے کلیم میں تو اپنی تجلی فرماؤں گا لیکن تو نہیں دیکھ سکتا لہٰذا اگر تو دیکھنا چاہتا ہے تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنے مکان پر برقرار رہا تو "فَسَوْفَ تَرٰانِیْ" عنقریب تو

مجھے دیکھ لے گا۔لیکن

"فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا" (پارہ:۹،اعراف ۷: ۱۴۳)

ترجمہ جس وقت تجلّی ہوئی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔

اگر دعاء رد کی جاتی تو پہاڑ پر تجلّی نہ ہوتی۔ پہاڑ پر تجلی کا ہونا یہ دلیل ہے کہ دعاء قبول کی گئی ورنہ اگر دعاء رد ہوگئی ہوتی تو تجلی کا کیا مطلب؟

سوال اگر کوئی کہے کہ اللہ قادر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اندر قوت پیدا کرے اتنی قوت کیوں نہ پیدا کر دی؟

جواب تو میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے اور بے شمار صفات ہیں اور تمام انبیاء خدا کی صفات کے مظہر ہیں اور ہمارے آقا ومولا خدا کی ذات کے مظہر ہیں اور "فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ" حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ قادر تھا کہ ہماری زبان کو دوسری جگہ رکھ دیتا اور ہمارے پاؤں کو مثلاً اونچا اور سر کو نیچا رکھ دیتا اور ہماری ناک کو پیچھے سے رکھ دیتا۔لیکن حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ پاؤں نیچے ہوں اور ناک منہ کے ساتھ ہو کیونکہ جس وقت کوئی کھائے گا تو فوری اس کو بُو سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ چیز بدبودار ہے پھینکنے کے قابل ہے۔ اور یہ خوشبودار ہے کھانے کے قابل ہے۔لہٰذا ثابت ہوا خدا سب کچھ کر سکتا ہے لیکن حکمت کے ماتحت کرتا ہے تو مظہر صفات کے اندر صفات دیکھنے کی قوۃ پیدا فرمائی اور مظہر ذات کے اندر ذات کے دیکھنے کی قوت رکھی اس لیے میرے آقا ﷺ نے ان جسمانی پیاری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

سوال اللہ تعالیٰ نے مظہر ذات دو کیوں نہ بنائے تا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی مظہر ذات ہو کر ذات کو دیکھتے؟

جواب اس کا جواب دے چکا ہوں کہ جس وقت ذات ایک ہے تو مظہر کیسے کثیر ہو سکتے ہیں لہٰذا مظہر ذات بھی ایک ہونا چاہیے اور صفات کثیر ہیں لہٰذا مظہر صفات بھی کثیر ہونے چاہییں۔اب پتہ چلا کہ دعاء رد نہیں کی گئی بلکہ جو کہتا ہے کہ دعاء رد کی گئی تھی وہ خود رد ہے۔میں عرض کر رہا تھا کہ تم نے دیکھا نہیں تو مانا کیسے؟ اگر رسالت کی زبان نہ ہوتی تو ہمیں توحید حاصل نہ ہوتی معرفت کا پتہ نہ چلتا۔لہٰذا جب تک رسول کو نہ مانیں اللہ کو مان نہیں سکتے۔جس نے بارگاہِ رسالت سے اعتزال کیا اس کو بارگاہِ ایزدی میں کوئی تعلق نہیں ہے۔آقا کے تشریف لانے سے پہلے کوئی سورج کی پوجا کرتا کوئی چاند کی کوئی ستاروں کی ، کہیں پیپل مسجود تھے کہیں لات وعزّٰی مسجود تھے۔غرض کہ کفر کی ظلمت چھائی ہوئی تھی لیکن جب آقا و مولا تشریف لائے تو تمام بہرہ مندوں نے زبانِ رسالت سے توحید کا سبق لیا اور سینۂ نبوت سے نورِ معرفت حاصل کیا۔لہٰذا بغیر آقا خدا تک رسائی نہیں ہوسکتی اور زبانِ رسالت کتنی محبوب و پاک زبان ہے کتنا معصوم و بے عیب ہے اگر یہ نہ مانیں تو آقا پر اعتماد کیسے ہوسکتا ہے؟ جب اعتماد نہ ہوا تو دولتِ ایمان چلی جائے گی کیونکہ جس کی زبان معاذ اللہ جھوٹی ہو تو اس کے قول کو ہم کیسے مانیں گے کہ اللہ ایک ہے؟

سوال بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ رسالت کے کام میں تو غلطی نہیں کرتے اور دیگر کاموں میں غلطی ہوجاتی ہے؟

جواب تو میں عرض کروں گا کہ یہ بات کس نے کہی اگر یہ بات اُس ذات نے کہی ہے تو ممکن ہے کہ یہ بات بھی غلط ہو لہٰذا جب تک بے عیب اور غلطی سے پاک نہ مانو گے ہر بات غلط تصور کی جائے گی۔

علاوہ ازیں ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبع مجیدی کانپور کتاب العلم کی پہلی حدیث بھول گئے ہو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آقا کی ہر بات لکھتے تھے تو صحابہ

نے کہا کہ حضور چونکہ بشر ہیں کبھی خوشی اور ناراضگی میں کلام فرمایا کرتے ہیں لہٰذا ہر بات نہ لکھا کریں بلکہ وہ چیز لکھیں جو رضا کے ساتھ فرمائیں تو حضرت عبداللہ نے بمطابق مشورہ صحابہ کرام کے لکھنا چھوڑ دیا تو آقا نے فرمایا کہ اے عبداللہ اب تو کیوں نہیں لکھتا تو حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ حضور صحابہ نے اسی طرح مشورہ دیا ہے تو آپ نے فرمایا

لَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ وَ اَشَارَ اِلٰى فِيْهِ اَوْ كَمَا قَالَ

ترجمہ خدا کی قسم اس دہن یعنی منہ سے حق کے سواء کچھ نہیں نکلتا اور اپنے دہن کی طرف اشارہ فرمایا۔

توجس زبان مقدس سے حق ظاہر ہو وہ غلط کیسے ہوسکتا ہے۔

سوال اگر کوئی کہے کہ انبیاء کی غلطیوں کا ذکر تو بہت جگہ آتا ہے جیسے "فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ" تو کیسے ہوسکتا ہے کہ غلطیوں سے پاک ہوں؟

جواب تو میں یہی کہوں گا کہ نبی کی "زَلَّتْ صُوْرَةً زَلَّتْ" ہوتی ہے حقیقۃً "زلۃ" نہیں ہوا کرتی۔ یہی معنی ہے "فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ" کا یعنی شیطان کسی ذریعہ سے بہشت میں داخل ہوگیا اور آدم علیہ السلام بھول گئے تو بھولے ہوئے دانا کھالیا تو نسیان بھی صورۃً نسیان ہے ہمارے نسیان جیسا نہیں ہے کیونکہ ہمیں نسیان غفلت سے ہوتا ہے اور انبیاء کا نسیان حکمت سے ہوتا ہے بلکہ وہ بھولتے نہیں بھلائے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے

اِنِّىْ لَا اَنْسٰى وَلٰكِنِّىْ اُنَسّٰى لِاَسُنَّ لَكُمْ

ترجمہ میں بھولتا نہیں بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ تمہارے لیے سنت ہو جائے۔

موطا امام مالک	صفحہ ۳۵	مطبع مجتبائی دہلی

اسی طرح بخاری جلد اول صفحہ ۶۹ مطبع اصح المطابع کراچی، کی حدیث مشاہدہ فرماؤ کہ آقا نے چہار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیر لیا تو بعد از فراغت ذوالیدین کھڑے ہوکر عرض کرنے لگے

يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ

ترجمہ کیا آپ بھول گئے ہو یا نماز قصر کی گئی ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ" نہ میں بھولا ہوں اور نہ قصر کی گئی ہے اور آپ اگر کہو کہ ان میں ایک تو ضرور ہوگی تو میں کہوں گا کہ ابوداؤد کی حدیث کو سامنے رکھ کر کلام کرو، آپ نے حق کہا یا نہ؟ اگر حق کہا تو مطلب کیا ہوگا؟ مطلب یہ ہوگا کہ ذوالیدین نے "نَسِيْتَ" کی نسبت حضور کی طرف کی اس لیے آقا نے فرمایا کہ نہ قصر ہوئی اور نہ میں بھولا ہوں بلکہ میں تو بھلایا جاتا ہوں۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا بھی حکمت سے خالی نہیں کیونکہ اگر آپ جنت میں رہتے اور زمین پر نہ آتے تو تمام اولاد جنت میں ہوتی حالانکہ جنت تو فقط مؤمنین کا گھر ہے کفار مشرکین کے رہنے کی جگہ نہیں لہٰذا ابوجہل، ابولہب اور فرعون اور ان کے حواریین کو باہر پھینکنے کے لیے زمین پر تشریف لائے اس کی مثال ایسے ہے جیسا کہ ایک مال دار ہو اس کے لیے ریشم کے تکیے موجود ہوں مکان بہت مزین ہو حتیٰ کہ اس کے صحن پر ریشم بچھا ہوا ہو لیکن ایمان سے کہنا اگرچہ زمین دار ہے ریشم کے تکیے لگاتا ہے مگر ٹٹی کرنے کے لیے ٹٹی خانہ جائے گا اس مکان اور بستروں پر ٹٹی نہ کرے گا کیونکہ مکان پاک ہے پلیدی کی جگہ نہیں ہے لہٰذا پلیدی کو باہر پھینک کر آئے گا اسی طرح جنت ابولہب جیسے خبیثوں کے رہنے کی جگہ نہیں اس لیے ان کو باہر پھینکنے کے لیے زمین پر تشریف لائے کیونکہ یہ نجس ہیں اور جنت نجس و خبث کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ وہاں تو ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے

پاکوں کی جگہ ہے۔ اور آدم علیہ السلام جس وقت جنت سے باہر تشریف لائے تو فقط دو تھے۔ لیکن جس وقت جائیں گے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور مؤمنین کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ لہٰذا آدم کا غلبہ ہوا نہ کہ شیطان کا۔ کیونکہ شیطان کو تو اس وقت پتہ چلے گا اور پیٹے گا کہ میں نے دو کو نکالا اور لاکھوں جا رہے ہیں لہٰذا انبیاء کی زلّۃ صورۃً ہوتی ہے حقیقۃً نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقت میں طاعت اور عبادت و معرفت ہوتی ہے۔

؎ آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے   دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

سوال اگر کوئی کہے کہ بھائی عیبوں سے پاک تو خدا ہوتا ہے مخلوق تو عیب سے پاک نہیں ہوتی اور انبیاء چونکہ مخلوق ہیں لہٰذا ان کا عیب سے پاک ہونا محال نہیں ہے؟

جواب تو میں کہوں گا اللہ اپنی اُلوہیت میں بے عیب ہے اور رسول اپنی رسالت میں بے عیب ہے خدا خالق ہونے میں بے عیب ہے اور نبی اپنے مخلوق ہونے میں بے عیب ہے۔ خدا اپنے مالک ہونے میں بے عیب ہے اور نبی مملوک ہونے میں بے عیب ہے۔ خدا اپنے واجب الوجود ہونے میں بے عیب ہے اور نبی اپنے نبی ہونے میں بے عیب ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ ہمارا ایمان ہے کہ اصل دین توحید ہے لیکن ذریعہ رسالت ہے اور بارگاہِ رسالت میں پہنچنے کا ذریعہ یہی اولیاء کرام ہیں اور ہماری روحانی غذا یہاں سے آتی ہے کیونکہ جس طرح کپڑا پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پانی اس کو مس کرے اور پانی سے دھویا جاوے اسی طرح روح کی پاکی کے لیے ضروری ہے کہ روحانی لوگوں کے ساتھ تعلق ہو اور نجات کا سبب بھی ان لوگوں کا دروازہ ہے آج تو بڑی قحط سالی ہے ضرورت ہے کہ ایمان کو محفوظ کیا جائے کیونکہ اگر عمل کی کمزوری ہو تو ایمان پار پہنچا دے گا اگر ایمان کے اندر کمزوری آ گئی تو بیڑا غرق ہو جائے کیونکہ عمل بغیر ایمان کے کام نہیں آتا دنیا میں کوئی ایسا فرد نہ ہوگا جس کی کوئی نیکی نہ ہو اور بغیر نبی و ولی کے کوئی نہیں ہوگا کہ جس

کے اندر کوئی برائی نہ ہو۔ لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا کہ عمل کی کمی سے نجات تو ضروری ہوگی مگر درجات کی کمی ہو جائے گی اور اگر ایمان نہیں ہے تو نجات ناممکن ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ ایمان کو محفوظ رکھیں اور اصل ایمان توحید ہے اور توحید بغیر رسالت کے محال ہے۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ کوئی رابطہ قائم کریں اور یہ رابطہ محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۷	مطبع اصح المطابع نور محمد کراچی

ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُسے اُس کے والد، اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

رابطہ ایک پُل ہے۔ جیسے پل کے بغیر ایک جانب سے دوسری جانب نہیں پہنچ سکتے اسی طرح اس رابطہ کے بغیر بارگاہِ الوہیت حاصل نہیں ہو سکتی اور محبت کا طریقہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور امر و نواہی کو بجا لانا ہے۔ اگر کسی نے امر و نواہی کا کلیۃً انکار کر دیا تو وہ دل کلیۃً خالی اور فانی ہے اور جس نے انکار نہیں بلکہ اقرار کرتے ہوئے عمل کی کمزوری کر دی ہے تو یاد رکھنا جتنی عمل کی کمی ہوگی اُتنی محبت کی کمی ہوگی تم نے سن لیا ہوگا کہ ایرآن میں زلزلہ آیا اور ستر ہزار آدمی فنا ہو گئے تو اس سے یہ مت سمجھنا کہ تمام گنہگار ہوں گے ممکن ہے کہ ان میں کوئی محبوبِ خدا اور اولیاء بھی ہوں لیکن ولی کی ہلاکت ہلاکت نہ ہوگی بلکہ شہادت شمار کی جائے گی اور گنہگار کی ہلاکت کو عذاب تصور کیا جائے گا۔

لہٰذا آج خدا سے خوف کرنا ہے تو کر لو کل کو یہ وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ جس دل میں خوف نہیں وہ دل زندہ نہیں بلکہ ایمان سے رہنے کی منزل نہیں لہٰذا چاہیے کہ یہ عمل کی

کمزوری کو دُور کریں۔تاجر کو چاہیے کہ جس طرح راتوں کو رقم شمار کرتا ہے کہ دن کو میں نے کیا کچھ کمایا ہے اسی طرح اسے چاہیے کہ گناہوں کو بھی شمار کرلیا کرے کہ آج دن میں کتنے گناہ کیے ہیں۔

ہمارے آخری اُمم ہونے کی وجہ؟ اور اس پر ایک مثال

رومیؔ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم آخر اُمم اس لیے ہوئے کہ پہلی اُمم کے واقعات سن کر عبرت حاصل کریں اس پر وہ ایک مثال دیتے ہیں کہ شیر اور بھیڑیا اور لومڑی شکار کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور ایک ہرن ایک گائے اور ایک خرگوش کو شکار کیا جس وقت شکار سے واپس آئے اور تقسیم کا وقت آیا تو شیر نے بھیڑیا کو کہا کہ تقسیم کس طرح کی جائے تو اس نے جواب دیا کہ تقسیم تو ظاہر ہے کہ گائے آپ کے لیے ہو اور ہرن میرے لیے اور خرگوش لومڑی کے لیے تو شیر نے غصے میں آکر ایک طمانچہ مارا اور بھیجہ نکال دیا اب لومڑی کو بلایا کہ تو تقسیم کر تو لومڑی نے کہا کہ حضور گائے اب تناول فرمالو اور ہرن شام کے لیے مہیا رکھو باقی رہا خرگوش اس کو ناشتہ کے لیے تیار رکھو۔تو شیر یہ سن کر خوش ہوا اور کہا کہ یہ تقسیم تجھے کس نے بتائی ہے؟ تو لومڑی نے جواب دیا کہ اس بھیڑیے کے حال نے مجھے سبق دیا ہے کہ تقسیم اس طرح کی جاتی ہے۔کیونکہ اگر میں ایسا کرتی جیسا اس نے کیا تو میرے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوتا۔لیکن تو نے کرم کیا کہ مجھ کو بعد میں بلایا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ گذشتہ واقعات سے سبق لیں کہ انھوں نے کیا کام کیے اور کس وجہ سے ہلاک کردیے گئے۔

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾" (پارہ:۶،سورۂ مائدہ ۵:۱۵)

ترجمہ بے شک جلوہ گر ہوا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب (البیان)

فقیر اسی ماہ ربیع الاول میں ایک دن سفر پہ جارہا تھا کہ کسی نے پوچھا کہ تم اتفاقی چیزیں

کیوں نہیں بیان کرتے بلا فائدہ تم نے لوگوں کو اختلاف میں ڈال دیا ہے۔ ایسے مسئلے بیان کرتے ہو جو موجب نزاع بنتے ہیں تو فقیر نے جواب دیا کہ ہم جو مسئلہ بیان کرتے ہیں تمام اتفاقی ہیں اور ان ہی پر اجماع اُمت ہے پھر اگر کوئی منکر سلفِ صالحین کے گروہ سے نکل کر کلام کرے تو اِس منکر کا قصور ہے ہمارا کیا قصور۔ البتہ یہ ہم پر ضروری ہے کہ جو سلف صالحین کے خلاف کرے اور گستاخی سے کام لے تو اس کو ہم سمجھائیں اگر چہ وہ نہ سمجھیں گے لیکن عوام تو اس گمراہی سے بچ جائیں گے۔

اب نور کی تحقیق سنئے کہ نور سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک نور سے مراد اسلام ہے اور بعض کے نزدیک قرآن۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نور سے مراد ذات پاک محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اس پر اجماع اُمت ہے اور نور آپ کے اسماء میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ، اَیۡ مُحَمَّدٌ ﷺ

اسی طرح حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ جو آپ کے شاگرد ہیں انھوں نے فرمایا

قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ اَیۡ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ

اسی طرح سعید بن جریج وقتادہ وزجاج نے فرمایا۔ روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۸۷ اور علامہ جلال الدین نے فرمایا

قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ اَیۡ مُحَمَّدٌ ﷺ كَذَا فِی ابۡنِ حَجۡرٍ

سوال آپ فرما چکے ہیں کہ بعض کے نزدیک نور سے مراد اسلام ہے اور بعض کے نزدیک قرآن ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اجماعِ اُمت ہے اس بات پر کہ نور سے مراد حضور ہیں کیسے صحیح ہے؟

جواب نور سے اسلام وقرآن مراد لینا دراصل معتزلہ کا مسلک ہے اہل سنت کا مسلک یہ ہرگز نہیں ہے جیسا کہ ذیل کا حوالہ شاہد ہے اور ہمارا اجماع اُمت کہنے سے مراد

بھی یہی اہل سنت وجماعت ہے۔

وَ قَالَ اَبُوْ عَلِیِّ الْجَبَائِیُّ عُنِیَ بِالنُّوْرِ الْقُرْاٰنُ لِکَشْفِهٖ وَ اِظْهَارِهٖ طُرُقَ
الْهُدٰی وَالْیَقِیْنِ وَاقْتَصَرَ عَلٰی ذٰلِکَ الزَّمَخْشَرِیُّ

روح المعانی	جلد ۶ صفحہ ۳٦۷	مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت

باقی رہا یہ کہ جب یہ قول معتزلہ کا ہے تو بعض علماء نے اس قول کو کیوں لیا ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ اپنے آپ کو حنفی کہلاتے تھے جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

اس لیے بعض نے ان کو حنفی شمار کرلیا جیسا کہ زمخشری کو بعض نے حنفی شمار کیا ہے کیونکہ حنفیہ اعمال ہے اور اعتزال اعتقاد۔ فقط ظاہر سے نہیں پہچانا جاتا کہ یہ معتزلہ ہے جب تک اعتقاد کے بارہ میں گفتگو نہ کی جائے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نور سے اسلام وقرآن مراد لینا معتزلہ کا مسلک ہے نہ کہ اہل سنت وجماعت کا تو یقیناً نور سے مراد ہمارے آقائے دوعالم ہیں جیسا کہ روح المعانی والے نے اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا وَهُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ نَبِیُّ الْمُخْتَارِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

روح المعانی	جلد ۶ صفحہ ۳٦۷	مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت

وَ قَالَ فِیْ هٰذِهِ الصَّفْحَةِ وَ سَیَبْعُدُ عِنْدِیْ اَنَّ مُرَادَ بِالنُّوْرِ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالعَطْفُ عَلَیْهِ کَالْعَطْفِ عَلٰی مَا قَالَهُ الْجِبَائِیُّ وَلَا شَکَّ فِیْ صِحَّةِ اِطْلَاقِ کُلٍّ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ۔

یعنی ہمارے آقا نوروں کے نور اور نبی مختار ہیں۔ اگر فرضاً نور سے مراد قرآن واسلام لیا جائے تو پھر بھی ہمارے آقا نور ہیں کیونکہ مثلاً نور سے مراد قرآن لیں تو قرآن کی تعریف ہے" کَلَامُ اللّٰهِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ" کلام اللہ کے ساتھ غیر مخلوق کی قید بڑھائی گئی ہے تو مشائخ

متکلمین نے اگر وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ تعریف کلام نفسی کی ہے نہ کلام لفظی کی اور کلام نفسی غیر مخلوق ہے کیونکہ یہ باری تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ اور غیر مخلوقہ ہے اور کلام لفظی مخلوق وحادث ہے اور نور کلام لفظی کی صفت ہے نہ کلام نفسی کی۔ میرے آقائے دو عالم بھی مخلوق ہیں لہٰذا کلام لفظی جو مخلوق وحادث ہے اس سے بھی افضل ہوئے تو بتاؤ جب قرآن (کلام لفظی وحادث) نور ہے تو ہمارے آقا بھی ضرور نور ہوں گے ورنہ افضلیت کا معنی نہ رہے گا۔

اور اگر نور سے مراد اسلام لیں تو پھر بھی ہمارے آقا نور ہیں کیونکہ جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا اور کر کے دکھایا اس کا نام اسلام ہے تو بتاؤ جب ادائیں نور ہیں تو اداؤں والا کیسے نور نہ ہوگا؟ علاوہ ازیں حضور جمیع اشیاء کے اصل ہیں۔ اگر اصل بے نور ہو تو فرع کیسے نور والی ہوگئی؟ علم وعمل ایمان وعرفان، عقل ودانش نور ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے نور ہیں جب فرع کے اندر نور ہوا تو اصل کیسے بے نور ہو سکتا ہے۔

سوال جب نور تم حضور کے لیے ثابت کرتے ہو ویسا نور قرآن تو نہیں ہے؟ لہٰذا اگر حضور نور ہوئے تو کیا ہوا جیسے قرآن کے پڑھنے کے لیے نورِ (شمع) کی ضرورت ہے اسی طرح حضور کے لیے بھی ضرورت ہے چنانچہ بہت سے واقعات شاہد ہیں کہ حضور ﷺ کے دولت کدہ میں جلتا تھا اگر نور ہیں تو شمع جلانے کی کیا ضرورت؟

جواب لفظ ایک ہوتا ہے لیکن منسوب ہونے کی وجہ سے معنی متفاوت ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی شہید کہا

"وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ" اور اپنے رسول کو بھی شہید کہا "وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" اور ہم کو بھی شہید کہا "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" تو بتاؤ کہ ہر ایک کے شہید ہونے کا ایک معنی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر ایک کے لائق معنی ہوگا۔

اسی طرح " وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ ؕ وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ " کہا یہاں بھی مکر کا ایک معنی ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ مَكَرُوْا کا مطلب دھوکہ میں ڈالنا اور " مَكَرَ اللهُ " کا مطلب دھوکہ سے نکالنا۔ اسی طرح تورات بھی نور اور قرآن بھی نور تو بتاؤ کہ قرآن وتورات یکساں ہیں ہرگز نہیں بلکہ قرآن مجید افضل ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ فقط ایک لفظ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ نسبت بھی ضرور متوجہ الیہ ہوتی ہے۔ لہٰذا نور قرآن کی طرف منسوب ہوا تو مطلب اور ہوگا، حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہوا تو مطلب ومعنی اور ہوگا، علاوہ آپ نے اس واقعہ کو تو دیکھا کہ شمع آپ کے دولت کدہ میں جلتا تھا اور دوسرے واقعہ کو آپ نے نظر انداز کر دیا کہ جس وقت آپ تبسم فرماتے تو گھر روشنائی سے بھر جاتا۔ آپ نے ایک آنکھ سے دیکھا دوسری آنکھ سے نہیں دیکھا کہ حکمت کے تحت جلوؤں کا اظہار واخفاء ہوتا ہے۔ دنیا میں بعض معانی ہیں اور بعض اعیان۔ جیسے قرآن مجید کے الفاظ واوراق اعیان ہیں اور مفہوم ومطلب معانی اور علم وعرفان اور ایمان معانی ہیں اور قرآن وتورات کا معنی نور ہے اور میرے آقا جامع اعیان اور معانی ہیں تو تعجب ہے کہ جس کا فقط معنی نور ہو اس کو تو نور مانتے ہیں اور جو جامع اعیان ومعانی ہو اس کو نور نہیں مانتے۔

ابن کثیر جو بڑا محتاط مفسر ہے متعدد سندوں کے ساتھ اس نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ پیدا ہوئے تو تمام گھر نور سے بھر گیا حتیٰ کہ بصرہ نظر آنے لگ گیا اور وہاں اونٹ باندھے ہوئے تھے وہ اونٹ بھی نظر آ گئے یہاں تک کہ اُن میں ایک اونٹ کی گردن مڑی ہوئی تھی وہ اونٹ بھی نظر آنے لگ گیا۔

سوال بے شک ہم مانتے ہیں کہ یہ احکام عدمِ نور پر دال ہیں لیکن یہ اسی نور کے معنی ہیں جو فقط نور یا نور کی جزء ہو اور ہم نے ہزار بار کہا کہ آقا فقط نور نہیں بلکہ جمیع اشیاء کی حقائق کے مجمع ومنبع ہیں۔ آپ کے اندر آگ بھی ہے، مٹی بھی ہے، ہوا بھی ہے، پانی

بھی ہے، بشریت بھی ہے اور نورانیت بھی ہے۔ لیکن بے عیب بشریت، بے عیب مٹی، بے عیب ہوا اور بے عیب پانی ہے۔ غرضیکہ محبوب کے اندر کوئی عیب بھی نہیں۔ لوگوں کا یہ الزام لگانا کہ بشریت کا انکار کرتے ہیں بہتان عظیم ہے ہم بے شک بشریت مانتے ہیں۔ لیکن بے عیب بشریت مانتے ہیں اور آپ تمام حقائق اور لطائف کا مجمع ہیں۔

مثال: آم کا درخت

جیسے دیکھو آم کا درخت پچاس من کا وزن رکھتا ہے اور گٹھلی نہایت شارک کا وزن رکھتی ہے تو بتاؤ یہ آم پچاس من کا وزن رکھنے والا اس گٹھلی کے اندر ہے یا نہ اور یا وہ پچاس من اس گٹھلی کے اندر موجود ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس پچاس من کا وزن رکھنے والی شاخوں کی حقیقتِ لطیفہ اس گٹھلی کے اندر موجود ہے اسی طرح جیسے باری تعالیٰ قادر ہے کہ پچاس من کی حقیقۃ لطیفہ کو ایک گٹھلی کے اندر سما دے۔

مثال: آئینہ

آپ آئینہ اُٹھا کر اپنی صورت دیکھتے ہو تو تمہاری صورت اس آئینہ کے اندر نظر آئے گی تو جو ذات قادر ہے کہ تمہاری صورتوں کو لطیف کر دے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ جمیع حقیقتوں کو لطیف کر دے جیسا کہ حدیث "هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ" کے بیان میں گزر چکی ہے۔

اب ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمیع حقائق کا مجمع ہیں آپ کے اندر بشریت بھی ہے لیکن بے عیب بشریت ہے کیونکہ آپ محمد ہیں اور محمد بے عیب ہوتا ہے۔ اس لیے فخر الدین عینی فرماتے ہیں

اِذَا حِمِدَنِىْ اَحَدٌ فَاَنْتَ اَحْمَدُ   وَاِذَا حَمِدْتُّ اَحَدًا فَاَنْتَ مُحَمَّدٌ

ترجمہ جب میری کوئی حمد کرے تو تُو احمد (سب سے زیادہ حمد کرنے والا) ہے اور جب میں کسی کی حمد کروں تو تُو محمد (سب سے زیادہ تعریف کیا گیا) ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری	جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۲	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

اب پتہ چلا کہ بشریت ہے لیکن بے عیب بشریت ہے۔ بشریت میں آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور نورانیت میں والد ہیں۔ آپ نے فقط نسل کو دیکھا اصل کو نہیں دیکھا ہم نے دونوں کو دیکھا ہے۔ ذرا غور سے دونوں کو دیکھو جس کی ایک آنکھ ہو تو وہ کہے کہ تمام انسانوں کی ایک آنکھ ہے کیونکہ میری آنکھ جو ایک ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے ذرہ آپ ایک آنکھ سے نہ دیکھو بلکہ دونوں آنکھوں سے دیکھو۔

صومِ وصال کی مثال

صوم وصال شاہد ہے عَدْمِ اَکَل نورانیت کی دلیل ہے اور کبھی کبھی کھانا بشریت کی دلیل ہے۔ جب حضور ﷺ نے صوم وصال رکھا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی صوم وصال شروع کر دیا۔ جب صحابہ نے صوم وصال رکھا تو تیسرے یوم تک یہ حالت ہوئی کہ مسجد کے دروازہ پر گر پڑے چلنے کی طاقت نہ رہی تو آپ نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اتنی بے طاقتی پیدا ہوگئی ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ حضور جب ہم نے آپ کو صوم وصال رکھتا ہوا دیکھا تو ہم نے بھی رکھنا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۲۶۳	مطبع اصح المطابع کراچی

ترجمہ تم میں سے میری مثل کون ہے میں تو رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

سوال یہ کیسا روزہ ہے کہ رب کے نزدیک کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی اور ظاہر ہے کہ

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو کھلاتا اور پلاتا ہے لہٰذا ہم بھی روزہ رکھ کر کھانا شروع کر دیں اور کہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے؟ حالانکہ ایسا کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو یہ کیسا روزہ ہے کہ کھاتے پیتے بھی گئے اور صومِ وصال بھی ہے؟

جواب "یُطْعِمُ وَیَسْقِیْنِیْ" کا مطلب یہ نہیں کہ یہی جسمانی غذا، روٹی پانی وغیرہ نوش فرماتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مزہ لیتے تھے جو جسمانی غذا سے متعلق نہ تھا اور فساد روزہ اس جسمانی غذا سے ہوتا ہے اکل وشرب اس جسمانی غذا سے ہے اور آپ ہم جیسے بشر نہیں بلکہ آپ کی بشریت بغایت لطیف بشریت ہے بلکہ اُن کے اپنے (یعنی رشید احمد گنگوہی) نے لکھا ہے کہ انبیاء کی بشریت روح کا حکم رکھتی ہے۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ

کنزالعمال	جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۶، حدیث ۳۲۲۴۱	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت	

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔

خون نکلنے اور نہ نکلنے کی حقیقت

اسی طرح آپ کا خون نکلنا بشریت کی دلیل ہے اور شق صدر کے موقع پر خون کا نہ نکلنا نورانیت کی دلیل ہے۔ بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ آپ کا خون مقدس اس لیے نکلا کہ شہداء کا خون دامن میں آجائے۔

اسی طرح آپ واقعی بیمار ہوئے اور بیمار ہونا بشریت کی دلیل ہے۔ لیکن ذرا مسلم شریف اٹھا کر دیکھو کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کا جبہ مبارک تھا جس کی ہوا سے

مریض شفایاب ہوجاتا۔اسی طرح آپ کی لعاب مقدس بھی مرکز شفاتھی۔اگراس کے بارے میں جمیع احادیث بیان کی جائیں تو واللہ اعلم کہ عمر ختم ہوجائے گی آپ کے لیے فقط خصائص کبریٰ کا مطالعہ بھی کافی ہے۔جس کے پڑھنے سے پوری تشفی ہوجاتی ہے بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ اگر آقا بیمار نہ ہوتے تو ہماری بیماریاں رُل جاتیں۔

حالانکہ ایک چھوٹی سی بیماری کے بدلے دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔اسی طرح جیسے آپ دن میں دیکھتے تھے ایسے ہی اندھیری رات میں دیکھتے تھے جیسے آگے دیکھتے تھے ویسے پیچھے دیکھتے اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا

وَاللهِ لَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ

ترجمہ خدا کی قسم مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ تمہارا خشوع وخضوع پوشیدہ ہے۔

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۱۰۲	مطبع اصح المطابع کراچی

حضور دنیا میں ہوکر عالم برزخ اور فوق السماء کو دیکھتے تھے اور دوزخ و جنت کا مشاہدہ فرماتے تھے۔اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا

"وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ الْاٰنَ" بے شک میں اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۵۸۵	مطبع اصح المطابع کراچی

دوقبروں والوں کے عذاب کو ملاحظہ کرنا

اسی طرح آقا دوقبروں سے گزرے اور فرمایا کہ ان دوقبروں والوں کو عذاب ہورہا ہے اور دفع عذاب کے لیے کھجور کی ایک سبز ٹہنی لے کر درمیان سے چیر کر دونوں قبروں پر گاڑ دیا اور سمجھا دیا کہ قبر والوں کا حال میری نگاہ سے پوشیدہ نہیں اور ان کے عذاب کی دوا بھی جانتا ہوں۔ان کے لیے مددگار بھی ہوں۔حاجت روا بھی ہوں۔مشکل کشا بھی ہوں۔

ان اُمور سے ثابت ہوا کہ آپ کا مریض ہونا بشریت کی دلیل ہے۔ لیکن ذرا اُن احادیث کو بھی دیکھو جن کے اندر شفاء کا ذکر ہے۔ ایک سے آنکھ بند کر کے دوسری طرف متوجہ ہونا اور فقط بشریت کا اعلان دینا اور نورانیت سے روکنا نہایت جہل نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم حضور ﷺ کی بے عیب بشریت مانتے ہیں اور نور بھی مانتے ہیں اور اجماع اُمت ہے کہ ہمارے آقائے دو عالم ﷺ واقعی نور ہیں۔

عقیدہ عمل کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکثر مقامات پر ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا۔ مثلاً ارشاد فرماتا ہے

"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" (پارہ:۳،سورۂ بقرہ ۲:۲۷۷)

ترجمہ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے۔ (البیان)

اُمتِ مسلمہ کا اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ ایمان و اعتقاد کے بغیر کوئی عمل صالح صحیح نہیں ہوسکتا۔ اعتقاد مقدم ہے بلکہ اعتقاد سنگِ بنیاد ہے اعمال صالحہ کی عمارت کے لیے۔ یا یوں کہیے کہ اعتقاد جڑ ہے اور اعمال صالحہ درخت ہے۔ کوئی درخت جڑ کے بغیر سرسبز و شاداب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کوئی عمل صالح اعتقاد صحیح کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ دیکھو منافقین نمازیں پڑھتے تھے مسجدیں بنواتے تھے اور کئی نیک کام بظاہر کرتے تھے۔ لیکن ان کے حق میں ارشاد ہوا

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ (پارہ:۵،سورۂ نساء ۴:۱۴۵)

ترجمہ بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ (البیان)

سب نیکیوں میں بہترین اور مقدم کلمہ شہادت ہے۔ منافقین کا کلمہ شہادت بھی قرآن نے

مقبول نہ فرمایا اس لیے کہ ان کے دل میں ایمان و اعتقاد صحیح نہ تھا حقیقت یہ ہے کہ اعتقاد کے بغیر عمل نہیں ہوتا۔ مثلاً جو شخص نماز کی فرضیت کا اعتقاد ہی نہ رکھتا ہو وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اب جو اعتقاد کر کے عمل کی بنیاد ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا صحیح ہوگا یا فاسد۔

فاسد العقیدہ لوگوں کے اعمال صالحہ کا فاسد ہونا جب ظاہر ہو گیا تو یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کہ بدعقیدہ لوگوں کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی۔ ادنیٰ سمجھ والا آدمی اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ امام کی اپنی نماز اگر کسی وجہ سے نہ ہو تو مقتدیوں کی نماز بھی نہ ہوگی۔ جب کپڑے ناپاک ہوئے یا بے وُضوء ہونے کی وجہ سے امام کی نماز نہ ہوئی تو اس وجہ سے مقتدیوں کی نماز بھی صحیح نہ ہوئی تو بدعقیدگیوں کے باعث امام کی نماز جب باطل ہو گئی تو اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کسی سُنّی صحیح العقیدہ مسلمان کو کسی بدعقیدہ شخص کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھنی چاہیے۔

کلام دو قسم ہے، کلام نفسی، کلام لفظی

کلام نفسی وہ ہے جو نفس (یعنی روح یا ذات یا قلب) میں ہو۔ کلام لفظی وہ ہے جو زبان سے ادا کی جائے۔ کلام نفسی میں نہ حقیقۃً الفاظ ہوتے ہیں، نہ آواز اور نہ ترکیب۔ اور کلام لفظی میں الفاظ آواز ترکیب سب کچھ ہوتا ہے۔ مثال دونوں کی یہ ہے کہ ایک شخص اپنے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور تمام ضروری چیزوں کی تصدیق کرتا ہے اور پھر اس تصدیق کو زبان سے ادا کرتا ہے تو دل کی تصدیق کو (زبان کی ادائیگی سے پہلے اس کے دل میں ایک کلام پیدا ہو گی جب تک وہ کلام دل میں نہ پیدا ہو زبان سے ادا نہیں کر سکتا) کلام نفسی کہتے ہیں۔

اب غور کرو کہ اس کے دل میں جو کلام پیدا ہوئی اُس میں کوئی لفظ ہے؟ ہرگز نہیں جب لفظ نہ ہوا تو آواز کہاں سے آئی اور اس میں ترکیب بھی نہیں۔ نیز اس میں تقدیم و تاخیر بھی

نہیں ہوئی۔ کیونکہ مقدم ومؤخر ہونا ترکیب کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ پس ثابت ہوا کہ کلامِ نفسی وہ ہے جس میں نہ الفاظ ہوں نہ آواز نہ ترکیب نہ تقدیم وتاخیر۔ الغرض جب کلام کی دونوں قسمیں واضح ہوگئیں تو سمجھنا چاہیے کہ قرآنِ پاک جو اللہ کا کلام ہے کلام لفظی ہے یا نہیں۔ اگر یہ نفسی کلام ہو تو محال ہے کیونکہ ہم نے بتادیا ہے کہ کلامِ نفسی متکلم کی ذات سے علیحدہ نہیں ہوسکتی اور اس میں الفاظ، آواز، ترکیب اور تقدیم وتاخیر وغیرہ نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں جب یہ تمام چیزیں موجود ہیں تو معلوم ہوا کہ اللہ کا کلام، نفسی نہیں بلکہ کلامِ لفظی ہے۔

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ الفاظ خدا کے بولے ہوئے ہیں اور زبان سے ادا کیے ہوئے ہیں یا پیدا کیے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ خدا کی نہ زبان ہے، نہ آواز۔ وہ جسم جسمانیت سے پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ الفاظ اللہ کے بولے ہوئے نہیں بلکہ اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اس نے ان الفاظ میں اپنے کلام نسفی کا عکس پیش کیا ہے۔ قرآن کے الفاظ بمنزلہ آئینہ ہیں اور آئینہ میں جس طرح کسی کا چہرہ نظر آتا ہے بلاتشبیہ وبلاتمثیل خدا کے کلامِ نفسی کا جلوہ اسی طرح الفاظِ قرآن پاک سے چمک رہا ہے۔ قرآنی الفاظ خدا کے کلامِ نفسی کے عکس و جمال کا جامہ ہیں اور ظاہر ہے کہ قرآن پاک عربی زبان میں آیا ہے کیونکہ آنحضرت کی قوم کی زبان عربی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۷﴾" (پارہ:۱۷، سورۂ انبیاء:۱۰۷)

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کیلئے (البیان)

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قوم بشر ہے اور بشری زبان میں تمام کتابیں آئیں۔ پس قرآن پاک بھی بشری زبان میں آیا یہی معنی ہیں میرے اس مقولہ کے کہ قرآن مجید بھی بشری کلام کے جامہ میں آیا۔ قرآن پاک کا جامہ بشری زبان ہے مگر اس کی حقیقت وہ خدا

تعالیٰ کی کلام نفسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اور قدیم ہے جس کو کوئی مخلوق خدا کی نہیں سمجھ سکتی۔"اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبِّیۡ"

یہاں سے یہ مسئلہ بھی ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید کلام تو اللہ تعالیٰ کا ہے مگر ہم نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ چونکہ حوادثات سے منزہ اور مبرّ ہ ہے اس لیے الفاظِ قرآنیہ اس کا کلام نفسی نہیں بلکہ کلام نفسی کی تعبیر ہیں اس کلام نفسی کی تعبیر اس کا کلام لفظی ہے مگر وہ قائم بذاتِ باری تعالیٰ نہیں بلکہ اس کا ادا کرنا اور اس کو قوی صحت میں لانا یہ کلام رسول کریم ﷺ کا ہے چونکہ خدا کا قول کہنے اور الفاظ و آواز وغیرہ سے پاک ہے پس قرآن کلام تو بے شک اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن قول حضور ﷺ کا ہے اس لیے قرآن پاک میں فرمایا

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ﴿۱۹﴾ (پارہ:۳۰،سورۂ تکویر:۱۹)

ترجمہ بے شک یہ (قرآن) ضرور قول ہے رسول کریم کا۔(البیان)

یہ آیت قرآن کریم میں دو جگہ آئی ایک جگہ جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور دوسری جگہ آقائے دو عالم ﷺ مراد ہیں۔

سوال آپ نے کہا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا قول نہیں بلکہ کلام ہے حالانکہ اللہ خود قرآن میں فرماتا ہے

مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَىَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۲۹﴾ (پارہ:۲۶،سورۂ ق:۲۹)

ترجمہ میرے حضور (میری) بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔(البیان)

لہٰذا اگر وہ قول سے پاک ہے تو اس کا کیا معنی ہوگا؟

جواب اس جگہ قول سے مراد حقیقۃً قول نہیں بلکہ قول کے مجازی معنی ہیں یعنی کلام مراد ہے قرآن کریم میں کئی الفاظ ایسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرمائے ہیں جن میں مجازی معنی مراد ہوتا ہے دیکھو قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ منہ وغیرہ کا ذکر ہے

مگر حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق جو منہ ہاتھ ہیں اللہ اُنہی کو اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے۔ پس اسی طرح یہاں بھی ہم کہیں گے کہ جیسا قول اللہ کی شان کے لائق ہے وہی مراد ہے اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ زبان سے کہنا آواز و الفاظ مرکب کر کے کلام کلام کرنا بوجہ حادث ہونے کے اللہ کی شان کے لائق نہیں اس لیے قول کے یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

حقیقتِ ایمان

جس چیز کی کوئی علامت ہوتی ہے وہ اس کی حقیقت کی غیر ہوتی ہے یہی حال ایمان کا ہے حقیقت ایمان رسول کریم ﷺ کی لائی ہوئی تمام چیزوں کی تصدیق کے ساتھ محبت رسول کریم ﷺ ہے اس تصدیق و محبت کا تعلق قلب سے ہے ایمان قلبی چیز ہے ظاہری اعضاء سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہے ظاہری اعمال جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات یہ تمام کام ایمان کی حقیقت نہیں بلکہ اس کی علامتیں ہیں۔ اس لیے کہ منافقین نماز اور روزہ وغیرہ عبادات بجالاتے تھے لیکن مؤمن نہ تھے۔

معلوم ہوا کہ حقیقتِ ایمان عبادات ظاہر یہ نہیں اس زمانہ میں لوگوں نے معاملہ اُلٹا کر دیا حقیقت ایمان کو بالکل بھول گئے۔ علامتِ ایمان کو حقیقت ایمان سمجھا یہ دین میں ایسا ہے کہ تمام فرقے اس نظریہ سے پیدا ہو گئے یہ مسئلہ سمجھ میں آ جائے تو ملت اسلامیہ کے تمام اختلافات ختم ہو جائیں غور فرمایئے کہ اگر نماز اور روزہ کو حقیقتِ ایمان کہا جائے تو کوئی منافق بے ایمان نہیں رہے گا سب مؤمن ہو جائیں گے اور جو مؤمن ایک فرض بھی مجبوری کی وجہ سے چھوڑ دے تو کافر و بے ایمان ہو جائے گا۔ اور یہ دونوں باتیں قرآن و احادیث کے بالکل خلاف ہیں۔ حقیقت کبھی بغیر علامت کے بھی پائی جاتی ہے۔ کسی مؤمن کا بحالتِ مجبوری عبادات نہ کرنا حقیقتِ ایمان کو باقی رکھتا ہے۔ کسی کافر کا ظاہری

نماز، روزہ اس کو مؤمن نہیں بناتا۔ اس لیے کہ علامت بغیر حقیقت کے بیکار ہو جاتی ہے۔ جو لوگ حقیقتِ ایمان سے محروم تھے انھوں نے علامت کو ایمان قرار دے دیا اس لیے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو خود بے ایمان قرار پائے۔ اس لیے انھوں نے علامت کو حقیقت کہا جو ہر طرح سے غلط اور نامقبول ہے۔

جانور پیدا ہوئے تیری وفا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
سب جہاں تیرے لیے اور تو خدا کے واسطے
جان لے ایمان کی ہے جان حبِ مُصطفیٰ
اور بجز حبِّ نبی مردود ہے ذکرِ خدا
سجدہ کرنا ہو تو یوں کر، سر کو سجدہ میں جھکا
سَر خدا کے واسطے دل مصطفیٰ کے واسطے
قبر میں سرکار آئیں تو میں قدموں میں گِروں
اور فرشتے گر اٹھائیں تو میں ان سے یوں کہوں
کہ میں ہائے سر کو قدموں سے اٹھاؤں کس طرح
مر کے پہنچا ہوں یہاں اس دلرُبا کے واسطے
اولیاء کے در پہ ہم آئے تو نجدی نے کہا
در خدا کا چھوڑ کر تم شرک میں ہو مبتلا
خود ہوا بیمار جب در چھوڑ کر اللہ کا
ڈاکٹر کے در پہ پہنچا نجدی دوا کے واسطے

واللہ اعلم واحکم بالصواب

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دافع البلاء ہونے کا ثبوت

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (پارہ:۹، سورۂ انفال ۷:۳۳)

ترجمہ اور اللہ (کی شان) نہیں کہ انہیں عذاب دے دراں حالیکہ (اے محبوب) آپ اُن میں موجود ہیں۔ (البیان)

ترجمہ اے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک آپ ان کافروں میں تشریف فرما ہیں میں ان کو عذاب نہ دوں گا۔

عذاب الٰہی سے بڑھ کر کون سی بلا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کافروں سے بھی بلاء کو دفع فرمایا۔ الآیہ

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (پارہ:۱۷، سورۂ انبیاء:۱۰۷)

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔

ظاہر ہے کہ رحمت کے ساتھ بلا جمع نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ سرکار بلاؤں کو دفع فرمانے والے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات موجود ہیں اب احادیث کو ملاحظہ فرمائیے حدیث نمبر (۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے

میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں جب ایسے بندوں کو جو میرے گھر یاد کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں استغفار کرنے والے ہیں دیکھتا ہوں تو اپنا غضب اِن سے پھیر لیتا ہوں۔ اللہ اکبر

کنز العمال	جلد ۶ صفحہ ۲۰۶ حدیث ۱۴۶۳۷	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی یہ شان ہے کہ آپ کے صدقہ میں وہ غضب بھی دفع ہو جاتا ہے اپنے جیسے بندوں کے دفع ہونے کا سبب و ذریعہ ہیں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

حدیث نمبر ۲۔ ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نیک مسلمان کے سبب اس کے ہمسایہ میں سو گھر سے بلا دفع فرماتا ہے۔

مجمع الزوائد	جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸ حدیث ۱۳۵۳۳	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

؎ جب غلاموں کی یہ شان ہے تو آقا کی کیا شان ہوگی؟

حدیث نمبر ۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مدد نہیں کیے جاتے اور رزق نہیں دیے جاتے مگر اپنے ضعیفوں کے سبب۔

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۴۰۵	مطبع اصح المطابع کراچی

حدیث نمبر ۴۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حاجت روائی کے لیے خاص فرمایا ہے لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں یہ بندے عذاب الٰہی سے امان میں ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ سے روایت کیا۔

کنز العمال	جلد ۶ صفحہ ۱۵۰ حدیث ۱۶۰۰۳	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص محبوب بندے دوسرے بندوں کے حاجت روا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا حاجت روا ہونا اور ان کے سبب سے بلاؤں کا دفع ہونا یہ سب نسبتِ محمد ﷺ کی وجہ سے ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل کمال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے یہ یاد رہے کہ حقیقی دافع البلاء اللہ تعالیٰ ہے اور مجازی سرکار دو عالم ہیں اور آنحضرت ﷺ کے صدقہ میں آپ کے غلام بھی دافع البلاء ہیں جیسا کہ آیت قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ مذکورہ سے واضح ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ آقا نامدار ﷺ دافع البلاء ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آقا ومولا نے تشریف لا کر ہمیں نارِ جہنم سے بچایا نارِ جہنم سے بڑھ کر کون سی بلا ہے۔

(مگر منکر کو نارِ جہنم سے بچایا نہیں اس لیے اس کے نزدیک دافع البلا نہیں)

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(پارہ:۱۱،سورۂ یونس:۶۲)

ترجمہ

خبردار! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے (البیان) اللہ جل مجدہٗ نے نماز، روزہ، حج زکوٰۃ کے تمام مسائل بیان فرمائے لیکن لفظ "اَلَا" استعمال نہیں فرمایا مگر جس وقت اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر فرمایا تو لفظ "اَلَا" ابتداء میں لایا کیونکہ ظاہراً ہم جیسے معاملات کرتے ہیں اور ہم جیسے رہتے ہیں لیکن ہمیں کوئی معلوم نہیں ہوگا کہ یہ ولی ہیں یا نہ اور باوجود اتنا اختلاط کے ان حضرات کا وہ مرتبہ ہے کہ "لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ" اور اللہ عزوجل نے فرمایا

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

ترجمہ جو شخص میرے اولیاء کے ساتھ عداوت رکھتا ہے اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔

بخاری شریف	جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ حدیث ۶۵۰۲	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

معلوم ہوا کہ یہ نفوس مقدس ہیں جن کے گستاخوں کے ساتھ اللہ عزوجل اعلان جنگ فرما رہا ہے اور جس کے ساتھ اللہ جنگ کرے وہ کسی حال میں نجات پا نہیں سکتا۔ قبل از اولیاء کے معنی کے ایک امر اہم کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کا کیا معنی ہے کیا ان حضرات کو دنیا میں خوف نہیں یا آخرت میں مخلوق کا خوف نہیں یا خالق کا؟ اگر کہیں کہ دنیا میں خوف نہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ "اَلْقِ عَصَاكَ" (پارہ:۱۹،سورۂ نمل:۱۰)

ترجمہ اور اپنا عصا ڈال دیجیے۔ (البیان)

جب عصا پھینکا تو ایک اژدھا بن گیا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے تو اللہ تعالیٰ
نے فرمایا "خُذْهَا وَلَا تَخَفْ" (پارہ:١٦،سورۂ طٰہٰ:٢١)

ترجمہ اسے پکڑلو اور خوف نہ کرو۔(البیان)

تو معلوم ہوا کہ انبیاء کو دنیا میں خوف تھا اور خوف بھی مخلوق کا تھا کیونکہ اژدھا مخلوق ہے خالق نہیں۔ جب انبیاء کو مخلوق اور دنیا میں خوف ہے تو اولیاء کو بھی ضرور ہوگا کیونکہ انبیاء میں جہاں تک ولایت کا منصب نہ آئے نبوۃ کی تکمیل ہو نہیں سکتی۔ اگر کہیں کہ آخرت میں خوف نہیں تو یہ بھی غلط کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے متعلق فرمایا

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ (پارہ:٧،سورۂ مائدہ:١٠٩)

ترجمہ جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا(البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسولوں کو جمع کر کے فرمائے گا کہ تم اپنی اُمت سے کیا جواب دیے گئے تو رسول کہیں گے

"قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا" (پارہ:٧،سورۂ مائدہ:١٠٩)

ترجمہ رسول کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔(البیان)

باوجود کہ ان کو علم ہے کہ واقعی ہم نے دنیا میں جا کر دعوت دی لیکن پھر بھی کہیں گے "لَا عِلْمَ لَنَا" کیونکہ قیامت کے دن عز وجل کا جلال ظہور میں ہوگا اور ہیبت و رعب تمام پر چھا جائے گا۔ تو اس جلال کو دیکھ کر رُسل کہیں گے "لَا عِلْمَ لَنَا" یعنی ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کالعدم ہے۔ لہٰذا تو ہی جانتا ہے ہمیں کوئی علم نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ رُسل جب خوف سے یہ کہیں گے تو اولیاء پر بھی ضرور خوف ہوگا اگر کہیں کہ خالق کا خوف نہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾" (پارہ:٢٧،سورۂ رحمٰن:٤٦)

ترجمہ اور جو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو اُس کے لیے دو جنتیں ہیں (البیان)

تو معلوم ہوا کہ اللہ کا خوف بھی ضروری ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ اولیاء کو خوفِ ضرر نہیں۔ اس لیے علیھم فرمایا اور "لَھُمْ" نہ فرمایا کیونکہ "عَلیٰ" ضرر کے لیے آتا ہے اور "لام" نفع کے لیے یعنی خوفِ ضرر ان حضرات کو بالکل نہیں ہے اور خوف نفع ضرور ہے۔

سوال اگر ان حضرات کو دنیا میں کوئی خوف نہیں۔ اور مخلوق کا خوف نہیں تو موسیٰ علیہ السلام اژدھا سے کیوں ڈرے؟

جواب وہ عصا دراصل باری تعالیٰ کے جلال کا مظہر تھا لہٰذا خوف اور ڈر اس جلال کا ہوا مخلوق کا خوف نہ ہوا۔ بلکہ باری تعالیٰ کے جلال کا خوف ہوا بدانکہ خدا کا خوف بڑی عظیم نعمت ہے اور خوف دو قسم ہے منتج برضرر اور منتج بر نفع۔ جو خوف منتج برضرر ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو دیتا ہے اور منتج بر نفع اپنے دوستوں کو دیتا ہے۔ اور یہ خوف باری تعالیٰ کے قرب اور معرفت کا نتیجہ ہے اور باری تعالیٰ کی معرفت انسان کی مقصدِ حیات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (پارہ:۲۷، سورۂ ذاریات:۵۶)

ترجمہ اور میں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (البیان)

اور معرفت سے کوئی عبادت زائد ہو نہیں سکتی بلکہ عبادت ہی معرفت کا نام ہے۔ اور جتنا قریب زیادہ ہوگا اتنا خوف زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم چڑیا گھر جائیں اور وہاں ایک شیر جنگلہ میں کھڑا ہوا ہو تو جس وقت ہم جائیں گے تو کوئی خوف نہ ہوگا اور دیکھیں گے تو پھر بھی کوئی خوف نہ ہوگا کیونکہ ہم دوری میں ہیں اور وہ سیخوں کے اندر کھڑا ہوا ہے جب وہ سیخوں سے باہر آئے گا تو ہمیں بہت خوف لاحق ہو جائے گا کیونکہ اب کچھ قرب آ گیا ہے اسی طرح بلا تمثیل عرض کرتا ہوں کہ جس طرح شیر کا قرب خوف پیدا کرتا ہے اسی طرح قربِ الٰہی خوف پیدا کرتا ہے۔

لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں دُوری ہوگی وہاں خوف ختم ہوگا اور جہاں دُوری نہیں وہاں خوف ضرور ہے۔ جس طرح قرب خوف پیدا کرتا ہے اسی طرح معرفت بھی خوف پیدا کرتی ہے۔

مثال: لڑکا اور سانپ

جیسا کہ ایک لڑکا لایعقل مثلاً تین برس کا ہو تو جس وقت اس کے آگے سانپ آئے گا تو وہ پکڑ لے گا کیونکہ اسے معرفت نہیں کہ یہ زہریلہ ہے بلکہ وہ ظاہری زیب وزینت سے غلطی میں آجائے گا اور جس وقت اس کا ماں باپ دیکھے گا کہ میرے بچے کے ساتھ سانپ بیٹھا ہوا ہے تو چیخیں گے اور جلدی جلدی اس بچے کو دُور کریں گے کیونکہ اُن کو علم ہے کہ زہریلہ ہے اسی طرح بلاتمثیل عرض کرتا ہوں کہ جس کو خدا کی معرفت ہے اسے خوف ہے اور جس کو معرفت نہیں اسے خوف بھی نہیں اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَ اَخْشَاكُمْ

ترجمہ یعنی میں تم تمام سے زیادہ عالم ہوں اس لیے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۷	مطبع اصح المطابع کراچی

بہر کیف خوفِ نفع انبیاء اور اولیاء کو ضرور ہے اور خوفِ ضرر ان حضرات کو نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں۔

اولیاء کا معنی

اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی صفت مشبہ ہے اور ولی سے مراد اللہ تعالیٰ کا محب ہے لیکن محبت کے منازل ہوتے ہیں جس قدر محبت زیادہ ہوگی اتنا ولائت کے مرتبہ میں ترقی ہوگی ولی خدا کا عبدِ کامل اور محبوب کامل ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ عَبْدِىْ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ ۔۔۔ الخ

ترجمہ نوافل سے اتنا قرب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا کان ہوجاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ ہوجاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہوجاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کا پاؤں ہوجاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔

بخاری شریف	جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ حدیث ۶۵۰۲	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان خدا بن جاتا ہے یا خدا انسان میں حلول فرماتا ہے کیونکہ اگر مانیں کہ انسان خدا بن گیا تو کفر آجائے گا اور اگر کہیں کہ خدا انسان میں حلول کر گیا تو یہ بھی شرک ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ انسان خدا تو نہیں بنا مظہرِ خدا بن گیا ہے جیسا کہ سورج کے سامنے آئینہ صیقل شدہ رکھ دیں تو وہ سورج شیشہ میں نظر آئے گا تو کیا یہاں سورج شیشہ بن گیا یا شیشہ سورج بن گیا بالکل نہیں آئینہ شمس نہیں بنا بلکہ مظہرِ شمس بن گیا ہے۔

اسی طرح ہزار ہا آئینے سورج کے سامنے رکھ دیں تو سورج تمام میں نظر آئے گا اور وہ آئینے مظہرِ شمس ہوں گے۔ اسی طرح بندہ بھی جب اتنا قرب حاصل کرتا ہے تو مظہرِ خدا بن جاتا ہے۔ اس حدیث کا بعض لوگوں نے مطلب یہ بیان کیا کہ ”کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ۔۔ الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا سننا، دیکھنا، پکڑنا اور چلنا خدا کی رضا کے بغیر اور خلافِ شرع نہیں ہوتا جو کچھ بھی کرتا ہے خدا کی رضا کے مطابق کرتا ہے لیکن یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں ہے

”حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ۔۔ الخ“

یعنی اس بندہ کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ محبوب بنانے کے بعد اس کی سمع و بصر وغیرہ ہوتا ہوں اور سمع کا مطلب ہو کہ خلافِ شرع فعل وقول کرنا تو مطلب یہ ہوگا کہ جس وقت اس کو محبوب بناتا ہوں تو بعد میں وہ خلافِ شرع فعل وقول نہیں کرتا حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ

جہاں تک خلافِ شرع فعل وقول سے باز نہ آئے محبوب ہونہیں سکتا کیونکہ برائیوں سے رُکنا پہلے ہوا ہے اور خدا کا محبوب ہونا بعد میں۔ اگر مان لیں کہ گناہ بھی کرتا رہے اور اللہ کا محبوب بھی ہوجائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ برائیوں کو پیارا رکھتا ہے اور جو چیز اللہ کی پیاری ہو وہ معصیت ہونہیں سکتی لہٰذا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیا میں انسان تمام معصیت کرتا رہے اور تمام انبیاء اور رُسل کا تشریف لانا معاذ اللہ عبث ہوگا۔

کیونکہ انبیاء تو معصیت سے بچانے کے لیے آئے اور معصیت کا وجود رہا نہیں لہٰذا ان کا تشریف لانا بے فائدہ ہوگا۔ اور انبیاء کا تشریف لانا عبث ہونہیں سکتا لہٰذا ماننا پڑا کہ جہاں تک بندہ برائیوں سے باز نہ آئے خدا کا محبوب ہونہیں سکتا۔

اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا جو کہ علامہ قشیری، علامہ سبکی، امام شعرانی صاحب الیواقیت اور علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۲۱ صفحہ ۷۷، سورۂ کہف نمبر ۱۸، آیت نمبر ۱۲، پارہ ۱۵، رکوع ۱۳، مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت المسئلۃ السادس میں ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے

وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ إِذَا وَاظَبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ إِلَى الْمَقَامِ الَّذِي يَقُولُ
اللّٰهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَّبَصَرًا فَإِذَا صَارَ نُورُ جَلَالِ اللّٰهِ سَمْعًا لَّهُ سَمِعَ
الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَإِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَصَرًا لَّهُ رَأَى الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ
وَإِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ يَدًا لَّهُ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي الصَّعْبِ وَالسَّهْلِ
وَالْبَعِيْدِ وَالْقَرِيْبِ

ترجمہ اور ایسے ہی بندہ جب عبادات پر ہیشگی کرتا ہے تو ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے میں اپنے بندے کے کان اور آنکھ ہو جاتا ہوں (کان اور

آنکھ ہونے کا مطلب) جب اللہ کے جلال کا نور اُس کے کانوں میں آجاتا ہے تو وہ نزدیک و دُور سے سنتا ہے اور جب یہی نور اُس کی آنکھوں میں آجاتا ہے تو نزدیک و دور کو دیکھتا ہے۔اور جب یہی نور اُس کے ہاتھوں میں آجاتا ہے تو وہ سخت و آسان اور قریب و دور پر تصرف کرنے پر قادر ہوجاتا ہے۔

مثال: لوہے کی بھٹی میں

اگر یہ حوالے مقبول نہ ہوں تو اپنے گھر کی فیض الباری شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۲۸ مطبع ڈبھیل سورت (ہند) اٹھا کر دیکھو اس میں بھی اسی طرح مرقوم ہے گویا اس کی مثال ایسی ہوتی جیسا کہ لوہے کو بھٹی کے اندر ڈال دیں تو وہ لوہا بھٹی جیسا بن جاتا ہے خود بھٹی نہیں بن جاتا اور نہ بھٹی خود لوہا بن جاتی ہے شدتِ قرب کی وجہ سے لوہے کے اندر آگ کی شعاعیں منعکس ہوجاتی ہیں اسی طرح جس وقت بندہ کو قرب حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال وتصرف ورؤیت وسمع کے انوار وتجلیات انسان کے اندر منعکس ہوجاتے ہیں اور جو کام اللہ کی شان میں ہیں وہ بندہ کرتا ہے کیونکہ مظہر ہوجاتا ہے اللہ عزوجل کا۔اوران کے جمیع افعال اقوال من اللہ شمار نہ کیے جائیں گے کیونکہ یہ جو کچھ کرتے ہیں باذن اللہ کرتے ہیں اور"مِنْ دُوْنِ اللہِ" مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو نہ مانیں وہی "مِنْ دُوْنِ اللہِ" اور وہی شرک ہے اور جہاں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو مانا جائے وہاں "مِنْ دُوْنِ اللہِ" نہیں ہوتا بلکہ "بِاِذْنِ اللہِ" ہوتا ہے لہٰذا ہم "مِنْ دُوْنِ اللہِ" کو تو مانتے ہیں ذرا آپ "بِاِذْنِ اللہِ" کو تو مانیں علاوہ ازیں "مِنْ دُوْنِ اللہِ" میں ماتحت الاسباب کی قید لگانا اپنی طرف سے ہے کیونکہ یہ آیت مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے لہٰذا یہ آیت ماتحت الاسباب اور ما فوق الاسباب جمیع کو شامل ہے فی الجملہ خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں باری تعالیٰ کا اذن ہوگا

وہاں "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" میں شامل نہیں ہوتا بلکہ "بِاِذْنِ اللّٰہ" ہوتا ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید نے گواہی دی۔

"وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ" (پارہ:۳،سورۂ آل عمران:۴۹)

ترجمہ اور میں شفایاب کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور برص والے کو اور میں جِلاتا ہوں مُردے اللہ کے حکم سے۔(البیان)

معلوم ہوا کہ مادرزاد اندھوں کو بینا اور ابرص والوں کو صحیح کرنا اور مُردہ کو زندہ کرنا باذن اللہ ہو تو "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" میں داخل نہیں ہوسکتا اگر "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" ہوتا تو یہاں بھی شرک ہوتا حالانکہ قرآن ہمیں توحید سکھاتا ہے شرک سے بچاتا ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا" (پارہ:۹،سورۂ اعراف:۱۸۸)(فرمادیجیے میں اپنی جان کے لیے خود کسی نفع کا مالک نہیں اور نہ کسی نقصان کا)(البیان) جب نبی اپنے نفس کے لیے نفع وضرر کا مالک نہیں ہوسکتا تو اوروں کے لیے کیسے مالک ہوسکتا ہے۔؟

جواب اتنی آیت تو پڑھ لی لیکن ذرا "اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ" کو تو پڑھیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نفس پر نفع وضرر کے مالک ہیں لیکن "بِمَشِیَّةِ اللّٰہِ" ہیں اور ہمارا بھی یہی دعویٰ ہے کہ بذاتہٖ حضور ﷺ کسی چیز کے مالک نہیں بلکہ جو کچھ آپ کی سلطنت ہے باذن اللہ ہے اور یہی مطلب ہے مختار کل ہونے کا کہ حضور ﷺ کل چیز پر مختار ہیں لیکن "بِمَشِیَّةِ اللّٰہِ"۔ یہ مطلب نہیں کہ خدا کے مقابلہ میں کوئی کام کرتے ہیں مثلاً اللہ کہے کہ فلاں کام کرنا ہے اور محبوب اکرم ﷺ فرمائیں کہ نہیں یہ کام نہیں کرنا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کیونکہ وہ نبی ہی کیا ہے جو خدا کے خلاف کام کرے بلکہ نبی کی شان تو یہ ہے کہ

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰیؕ﴿۳﴾ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیۙ﴿۴﴾ (پارہ:۲۷،سورۂ نجم:۳)

ترجمہ اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے نہیں ہوتا اُن کا فرمانا مگر وحی جو (اُن کی طرف) کی جاتی ہے۔(البیان)

یعنی محبوب کا کوئی فعل خدا کے خلاف نہیں ہوتا تمام اشیاء پر مختار ہیں لیکن باذن اللہ مختار ہونے کی گواہی قرآن مجید نے دی کہ "اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ" (پارہ:۳۰، سورۂ کوثر:۱)(اے حبیب) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی۔(البیان)

بعض لوگ کوثر سے مراد حوض لیتے ہیں۔واقعی اس حوض کا نام کوثر ہے لیکن یہاں وہ حوض مراد نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سلطان المفسرین رضی اللہ عنہما نے فرمایا "اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ اَیِ الۡخَیۡرَ الۡکَثِیۡرَ" اور خیر کثیر "مَا فِی الۡاَرۡضِ" اور "مَا فِی السَّمَآءِ" کو کہتے ہیں۔کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کوثر سے مراد حوضِ کوثر ہے تو آپ نے فرمایا "ھُوَ اَیۡضًا مِنَ الۡخَیۡرِ الۡکَثِیۡرِ" یعنی وہ بھی خیر کثیر میں شامل ہے۔اس لیے تفسیر کی گئی اَلۡخَیۡرُ الۡکَثِیۡرُ، اَلۡخَیۡرُ کُلُّہٗ ، اَلۡکَوۡثَرُ، خَیۡرُ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ" امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتہ یہاں بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ" (پارہ:۳۰،سورۂ کوثر:۲)

ترجمہ تو آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔(البیان)

یعنی اے محبوب ہم نے آپ کو خیر کثیر دی آپ اس کے بدلے نماز پڑھ لیں اور قربانی کر دیں تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دے کر واپس کر لیا ہے کیونکہ جہاں موہُوب لہٗ ہبہ کے بدلے کوئی چیز دے دے تو مُوہِب کی یہ شان کے لائق نہیں ہوتا کہ اِس ہبہ کو واپس کر لے۔لہٰذا آپ نماز پڑھتے رہو اور قربانی کرتے رہو تاکہ آئندہ آنے والوں کے دماغ سے یہ بات منقطع ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دے کر واپس کر لی ہے کیونکہ یہ اللہ عزوجل کی شان میں نہیں کہ دیکر واپس کر لے۔

سوال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ " (پارہ:۷، سورۂ انعام:۵۰) یعنی اے پیارے فرمادو کہ میرے پاس کوئی خزانے نہیں ہیں۔ جب کوئی خزانہ نہ ہوا تو مختار کیسے ہوئے؟

جواب اوّل: تو آپ کی یہ بھی جہالت ہے کہ "لَکُمْ" کے خطاب کو نہیں سمجھا کہ خطاب کس کو ہے۔ یہ خطاب مؤمنوں کو ہرگز نہیں ہے بلکہ اس خطاب میں فقط کفار و مشرکین و منافقین شامل ہیں۔ منافقوں اور مشرکوں کو یہ خطاب فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خزائن ہیں۔

یہاں کہنے کی نفی ہے ہونے کی نفی نہیں۔ کہنا اور ہے ہونا اور ہے۔ اور اس لیے منافقین کو نہیں کہا کہ وہ سارق ہیں اور سارق کو خزائن بتلائے نہیں جاتے ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے پاس خزائن ہیں کیونکہ صحیح بخاری جلد۔۔صفحہ۔ میں ہے کہ

أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ

ترجمہ یعنی تمام زمین کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۶۲۸،۵۸۵	مطبع اصح المطابع کراچی
مسلم شریف	جلد اول صفحہ ۱۹۹	مطبع اصح المطابع کراچی

سوال یہ تو زمین کی کنجیاں ہیں آسمان کی کنجیوں کا کہیں اثبات کرو؟

جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب معراج تشریف لے گئے تو جبرئیل نے ایک سبز کپڑا پیش کیا جس میں سفید موتی تھے اور کہا کہ زمین کی کنجیاں تو آپ کو دنیا میں مل گئیں اور آسمان کی کنجیاں یہ ہیں اب لے لو۔

علاوہ ازیں بخاری جلد اول صفحہ ۴۳۹ میں ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَ خَازِنٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ

ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں خازن اور تقسیم کرنے والا ہوں۔

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۴۳۹	مطبع اصح المطابع نور محمد کراچی

سوال اگر حضور خازن ہیں تو خود بھوکے کیوں رہے؟ پتھر کیوں باندھے؟ صحابہ قتل ہو گئے امداد نہ کر سکے بلکہ حسنین کریمین نے تشنگی میں جان دے دی پانی کا قطرہ نہ مل سکا اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹا لینے کی مشتاق رہیں ایک بیٹا ان کو نہ دے سکے اگر قاسم و خازن و مختار ہوتے تو ان کی امداد ضرور کرتے؟

جواب لف نشر غیر مرتب: نمبر ا، یہ کہنا کہ بی بی صاحبہ امہات المؤمنین بیٹے کے لیے مشتاق رہیں جھوٹ اور افتراء ہے کیونکہ مال اور اولاد زینت ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا

"اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" (پارہ:۱۵، سورۂ کہف:۴۶)

ترجمہ مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔ (البیان)

اور امہات المؤمنین زینت کی طلب گار نہ تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا

(پارہ:۲۱، سورۂ احزاب:۲۸)

ترجمہ اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیں اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو۔ (البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار ہے کہ میرے محبوب کے صحن میں دنیا کی طلب گار ہوں بلکہ میرے محبوب کے صحن میں وہ رہ سکتی ہے جو دنیا کی خواہش سے آزاد اور میرے محبوب کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ امہات المؤمنین کے دل میں زینت (اولاد) کی آرزو بالکل نہ تھی بلکہ آقا و سرور عالم کی محبت سے ان کے دل

بھرے ہوئے تھے زینت کی گنجائش بالکل نہ تھی اگر زینت کی آرزو ان کے دل میں ہوتی تو اللہ تعالیٰ طالبِ دنیا کو محبوب کے صحن میں ہرگز نہ رہنے دیتا اور امہات المؤمنین کبھی نہ ہوتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب کے صحن میں ان عورتوں کو رکھا ہے جو دنیا سے بالکل آزاد ہیں۔

نمبر ۲۔ اور یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور حسنین کریمین کی امداد نہ فرما سکے یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبیوں کو بھیجا اور اُمت نے انہوں کو قتل کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ " (پارہ نمبر ۳، سورۂ آل عمران: ۲۱) یعنی لوگوں نے ناحق نبیوں کو قتل کر دیا تو یہ بتاؤ کہ نبیوں کا محافظ اللہ ہے یا نہیں؟ اگر محافظ ہے تو کیا اللہ امداد نہ فرما سکا عاجز تھا؟ امداد فرمانے سے دیکھتا رہا کہ میرے نبی قتل ہو رہے ہیں اور خاموش رہا بڑی تعجب کی بات ہے؟

اس کی مثال تو ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص بہت مالدار تھا اور ہاڑ کا مہینہ ہے اور وہ صائم ہے تو دوپہر کے وقت اس کے منہ پیاس اور بھوک کے آثار نظر آئے تو کسی نے کہا کہ دیکھو یہ بالکل تنگدست ہے کھانے پینے سے عاجز ہے بے چارہ پریشان ہو رہا ہے اس کو پانی اور روٹی نہیں ملتی۔ تو بتاؤ کہ یہ اس کی بات کتنی لغو ہے کیونکہ وہ تو بہت مالدار ہے لیکن وہ صائم ہے۔ اس کے کھانے اور پینے پر خدا کی رضا نہیں ہے جہاں خدا کی رضا نہ ہو وہاں کیسے کھائیں۔ اسی طرح اگر حسین رضی اللہ عنہ ایک پاؤں زمین پر رگڑ دیتے تو حوض کوثر کے چشمے جاری ہو جاتے لیکن وہاں رضا نہ تھی اس لیے صبر فرمایا بلکہ ان حضرات کی شہادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا سے ہوئی۔

واقعہ غزوۂ خیبر

جیسا کہ بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳ باب غزوہ خیبر پر مذکور ہے۔ کہ حضور ﷺ بمع صحابہ جنگ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ آگے ہو کر آنحضرت کی تعریف میں اشعار پڑھ رہے تھے تو جب آنحضرت نے ان اشعار محمودہ کو سنا تو فرمایا یہ کون ایسے اشعار پڑھ رہا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت عامر آپ کی تعریف میں نغمہ محبت سنا رہے ہیں اور قلب کو محبت سے تازہ فرما رہے ہیں تو آنحضرت نے فرمایا "یَرْحَمُہُ اللہُ" اور آنحضرت جس کو بھی ایسا فرماتے وہ شہید ہو جاتا۔ تو جس وقت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کلمہ آنحضرت ﷺ کے دہن مبارک سے سنا تو فوری کہا "قَدْ وَجَبَتْ" یعنی حضور آپ نے ایسا فرمایا تو واجب ہو گیا کہ ابھی یہ جنگ میں شہید ہو جائے گا۔ اور واپس ہرگز نہ آئے گا اور عرض کیا کہ حضور "لَوْلَا اَمْتَعْتَنَا" یعنی آپ نے اس کو باقی دنیا میں نہ رکھا کاش اگر یہ دنیا میں رہتا تو ہم اس سے بہت فائدے اٹھاتے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یقین تھا کہ حضور ﷺ جس کو دنیا میں رہنے دیں تو مالک ہیں اگر جامِ شہادت پلائیں تو پھر بھی مالک ہیں۔

اس لیے ابن تیمیہ نے کہا

حضور ﷺ اللہ کے قائم مقام ہیں

وَقَدْ اَقَامَہُ اللہُ مُقَامَ نَفْسِہٖ فِیْ اَمْرِہٖ وَ نَھْیِہٖ وَاِخْبَارِہٖ وَبَیَانِہٖ فَلَا یَجُوْزُ اَنْ
یُّفَرَّقَ بَیْنَ اللہِ وَ رَسُوْلِہٖ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ ھٰذِہِ الْاُمُوْرِ

ترجمہ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنی ذات کے قائم مقام فرما دیا اپنے امر اور

اپنی نہی اور اپنی خبر دینے اور اپنے بیان کرنے میں تو ان اُمور میں اللہ اور اُس کے رسول کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں ہے۔

الصارم المسلول	صفحہ ۳۳	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اس واقعہ سے ہمیں سبق ملا کہ کسی کو شہادت کا نصیب ہونا آنحضرت کی رضا سے ہوتا ہے اور جہاں رضا ہو وہاں امداد کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

نمبر ۳۔ باقی رہا یہ کہ اگر حضور خازن ہیں تو بھوکے کیوں رہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی میں دو حیثیت ہوتی ہیں۔

(۱) "مِنْ حَيْثُ الْبَشَرِيَّتُ" (۲) "مِنْ حَيْثُ الرِّسَالَتُ"

"مِنْ حَيْثُ الرِّسَالَتُ" آنحضرت کا قول و فعل فرض واجب ہے اور آنحضرت کا قول اللہ کا قول ٹھہراتا ہے جیسا کہ "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" شہادت دے رہا ہے۔ اور آنحضرت کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے جس کی دلیل

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ:۵ سورۃ النساء: ۴:۶۵)

ترجمہ اور جو فعل و قول "مِنْ حَيْثُ الْبَشَرِيَّتُ" ہو وہ اُمت پر واجب نہیں ہوتا اور یہ معاملات آنحضرت کے اختیاری تھے جیسا کہ دارمی کی حدیث شاہد ہے کہ اگر آنحضرت ارادہ فرماتے تو پہاڑ سونے کے ہو کر غلام ہو کے ساتھ چلتے لیکن کبھی یہ ارادہ فرمایا نہیں کیونکہ دنیا نبی کے لائق نہیں اس لیے کہ یہ خسیس ہے اور نبی خسیس سے منزہ ہوتا ہے بلکہ انبیاء تو لقاء ایزدی کے طالب ہوتے ہیں۔

سوال آپ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیر کثیر عطا کی گئی حالانکہ خیر کا تعلق معنی سے ہے جیسے حلم و کرم و علم وغیرہ ان کا تعلق معنی سے ہیں لہٰذا خیر سے مراد معانی ہوئے نہ اعیان؟

جواب اس کو مخالفین بھی مانتے ہیں کہ کوثر سے مراد حوض کوثر لیا جائے اور حوضِ کوثر اعیان میں سے ہے نہ معانی سے لہٰذا معنی کے ساتھ تخصص کرنا باطل ہے۔
واللہ اعلم واحکم بالصواب۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

(پارہ:۴،سورۂ آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ بے شک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اُس نے ان میں عظمت والا رسول بھیجا۔(البیان)

آقا کی خوشی منانا اور ان کی آمد میں شکرانا کرتے ہوئے خوشیاں کرنا ہر مؤمن کے لیے ضروری ہے کیونکہ مؤمن کی نسبت حضور ﷺ سے روحی نسبت ہے سمجھ لیجیے جس مقام کی منسوبہ چیز ہو نسبت اتنی قوی ہوا کرتی ہے اگر منسوبہ چیز ختم نہ ہو تو نسبت بھی قائم رہتی ہے ورنہ تو نسبت ختم ہو جاتی ہے یوں سمجھو کہ وجود کی نسبت ختم ہونے والی نسبت ہے اور روح کی نسبت قائم اور دائم روح کی نسبت کبھی ختم نہیں ہوتی کیونکہ روح خود ختم نہیں ہوتی بلکہ روح ہمیشہ رہتی ہے اس لیے اس کی نسبت ہمیشہ رہتی ہے اگر مرتے وقت روح کی نسبت اسلام سے ہوئی تو ہمیشہ اسلام سے ہی رہے گی اور کبھی اسلام سے خارج نہ ہوگی اور اگر کفر سے نسبت ہوگی تو ہمیشہ کفر سے نسبت رہے گی اور کفر ہمیشہ ہی رہے گا کیونکہ روح ہمیشہ رہنے والی چیز ہے اور جو ہمیشہ رہنے والی چیز ہو اس کی نسبت ہمیشہ رہا کرتی ہے تو سوچو کہ جس کی نسبت دائمی نہیں تھی بلکہ عارضی بھی نہیں تھی اور کفر نہیں بالکل سراپا ۔۔۔ ہے اور جس کی مذمت قرآن مجید نے خود بیان فرمائی
"تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ" (پارہ:۳۰،سورۂ لہب:۱) مگر جب حضور کی آمد کی خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کر کے انگل سبابہ و وسط کا اشارہ کرتا ہے تو باوجودیکہ اس کی کوئی

نیکی قبول نہیں نہ نماز قبول نہ زکوٰۃ نہ خیرات نہ حج تمام چیزیں بے فائدہ ہیں مگر آقا کی خوشی جب کرتا ہے تو اللہ جل مجدہٗ اس کی اس خوشی کو بالکل ضائع نہیں فرماتا

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۷۶۴	مطبع اصح المطابع کراچی

کہ آقا کی ولادت باسعادت ہوئی تو ابولہب کی کنیزک ثویبہ خوش خبری لائی اور مبارک بادی دینے کے لیے آئی تو ابولہب نے نہایت خوشی میں آ کر سبابہ اور وسطیٰ کا اشارہ کر کے کہا "اَعْتَقْتُكِ" یعنی چل خوشی میں تجھے آزاد کیا تو ابولہب کو مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھتے ہیں اور حال پوچھتے ہیں تو کہتا ہے نہایت خوار اور عذاب میں ہوں مگر جب سوموار کا دن آتا ہے تو مجھ سے عذاب کی تخفیف ہوتی ہے اور انگلی وسطیٰ اور سبابہ سے دودھ کی ندیاں جاری ہوتی ہیں جس کو چوستا ہوں یہ اللہ نے اپنے حبیب کی آمد پر خوشی منانے کی جزاء دی ہے تو جب کافر سے یہ ہوا اور انعام حاصل کرے تو جس کا تعلق روحی ہے اور صحیح مسلمان ہے تو اللہ پاک اس کا ثواب کب ضائع کرے گا بلکہ دگنا چوگنا دس گنا مقام میں بلندی فرمائے گا۔ تو یہ حضور کی بعثت تھی اور حضور کی خلقت کا بیان ترمذی شریف میں آتا ہے کہ

"كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ"

مستدرک حاکم	جلد ۲ صفحہ ۶۶۵ حدیث ۴۲۰۹	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت
کنز العمال	جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۴ حدیث ۳۱۹۱۴	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

تو معلوم ہوا کہ روحانیت کے اعتبار سے حضور ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے مقدم ہیں اور "نُفِخَتْ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" کے مصداق ہیں اور حضور روحانیت کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کی اصل ہیں اور اعتبار ثانی سے آدم علیہ السلام کی نسل ہیں آقا نے فرمایا

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ

ترجمہ میں قیامت والے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا لیکن کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔

کنز العمال	جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۲ حدیث ۳۱۸۸۹	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آدم علیہ السلام کی نسل ہیں دوسری روایت میں آتا ہے

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ

کنز العمال	جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۲ حدیث ۳۱۸۸۰	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

تو مرسلین میں آدم علیہ السلام بھی شامل ہیں اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آدم علیہ السلام کی اصل ہیں۔

"قَوْلُہٗ مِنْ اَنْفُسِھِمْ "ایک قراءت میں" مِنْ اَنْفُسِھِمْ " آتا ہے اور ایک قراءت میں "مِنْ اَنْفَسِھِمْ " آتا ہے یعنی زیادہ لطیف کے معنی میں آتا ہے۔ نیز "عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ" میں تخصیص صحابہ کی نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان ایماندار لوگ شامل ہیں اگر صحابہ کی تخصیص کی جائے تو بغیر کسی قرینہ کے ہوگی اگر ایسا کیا گیا تو "اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُو الزَّکٰوۃَ" وغیرہ ان تمام خطابات کے محض صحابہ کرام مخاطب ہوں تو تم پر نہ نماز فرض رہے نہ زکٰوۃ نہ روزہ تو یہ غلط ہے بلکہ مخاطب عام مسلمین ہیں تو اس میں بھی صحابہ کی تخصیص نہیں بلکہ تمام شامل ہیں۔

سوال: "وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ " میں جمیع نبی مراد بالکل نہیں حالانکہ الف لام بھی داخل ہے جس طرح المؤمنین میں الف لام شامل ہے مگر جمیع نبی مراد نہیں؟

جواب: اس کی تخصیص قرآن مجید نے خود کر دی ہے "فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ز وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ" اور یہاں المؤمنین میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی جیسا کہ قرآن مجید میں واقع ہے

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

(پارہ: ۲۲، سورۂ احزاب: ۴۰)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کی نعمت ہیں

خداوند کریم نے اپنی نعمت کے عطا کرنے پر احسان جتایا ہے اور نعمتِ خدا ذات پاک سید لولاک ہے جیسا کہ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"نِعْمَةُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

بخاری شریف	جلد ۲ صفحہ ۵۶۶	مطبع اصح المطابع کراچی

جمیع نعمتیں حضور کے دامن اقدس سے وابستہ ہیں بلکہ جس زحمت کا تعلق حضور سے ہو جائے وہ زحمت، زحمت نہیں رہتی بلکہ رحمت بن جاتی ہے اور رحمت کا تعلق حضور سے ختم ہو جائے تو وہ رحمت زحمت بن جاتی ہے۔ دیکھو جان نعمت ہے اس کو خوش رکھنا اور اس کا وجود ہونا بھی رحمت ہے۔ مگر اس جان کا تعلق ختم کر دینا اور زحمت برداشت کرنے کا تعلق آقا سے ہو جائے تو یہ جان کا ختم ہونا اور زحمت کشی کرنا یہ سب کچھ رحمت بن جاتی ہے اور اگر جان کو بچایا جائے تو یہ رحمت ہے مگر جب اس کا تعلق حضور سے نہ رہے تو یہ رحمت زحمت بن جاتی ہے جیسا کہ کفّار نابکار کی حالت ہے کہ اپنی جان آقا کے نام پر قربان نہیں کرتے اور بچاتے ہیں پھر باوجود کہ جان کا بچانا رحمت ہے مگر اب زحمت بن گئی کیونکہ اس کا تعلق حضور سے نہیں رہا ہے اور جو لوگ شہید ہوئے اور آقا سے جان کا تعلق کرنے کے بعد زحمت کشی کی اور جان قربان کی پھر باوجود کہ وہ جان زحمت کشی کر رہی ہے مگر جب تعلق محبوب سے ہوا تو یہ زحمت رحمت بن گئی اور

نکتہ خداوند عز وجل نے اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کو ہمارے لیے بھیج کر ہمارے لیے احسان فرما رہا ہے احسان جب ہوتا ہے کہ نعمت منعم علیہ کے پاس رہے اگر منعم اپنی نعمت کو واپس لے لے تو احسان باقی نہیں رہتا جیسا کہ کسی نے اگر مجھے گھڑی دی

اور احسان کیا اور پھر اس نے کہا میری گھڑی واپس کرو تو اپنی گھڑی واپس کر لی تو اب گھڑی واپس ہونے کے بعد وہ شخص احسان نہیں جتلا سکتا پھر اگر وہ کہے کہ میرا تم پر بڑا احسان کہ میں نے تم کو گھڑی دی تھی تو میں کہوں گا کہ بھائی تمہارا کیا احسان ہے گھڑی اپنی واپس کر لی اب احسان کیا منوا رہے ہو اب کوئی احسان نہیں رہا تو یہاں خداوند کریم کا احسان قیامت تک مسلمانوں کے لیے شامل ہے ختم ہو نہیں سکتا تو معلوم ہوا کہ نعمت بھی ہم میں باقی ہے کیونکہ نعمت اگر چلی جائے منعم اپنی نعمت کو واپس کر لے تو احسان باقی نہیں رہتا مگر احسان باقی ہے تو معلوم ہوا کہ نعمت بھی ہم میں باقی ہے اور ہمیشہ باقی ہے نہ احسان ختم ہوگا اور نہ نعمت جائے گی۔

معلوم ہوا کہ جب نعمت حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے تو آپ موجود ہیں اگر آپ نہ ہوں تو احسان نہیں رہتا مگر احسان باقی ہے لہٰذا حضور بھی باقی ہے۔

سوال تریسٹھ (۶۳) سال کے بعد حضور چلے گئے ان کے جانے کے بعد نعمت چلی گئی؟

جواب رسالت دو قسم ہے حقیقۃً وحکماً۔ حقیقۃً رسالت جسم مع الروح کا نام ہے اور حکماً رسالت محض روح بغیر تعلق جسم کے جیسا کہ

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ

اگر روح کا تعلق جسم کے ساتھ مکمل ہے اور جسم اور روح جمع ہیں انھیں کوئی فرق نہیں تو رسالت حقیقی ہے اگر محض روح ہو جسم سے علیحدہ تو رسالتِ حکمی ہے مگر اب تک حضور کی رسالت باقی۔ حقیقی باقی ہے کیونکہ محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ محمد اللہ کے حقیقۃً رسول ہیں۔ جب تک محمد رسول اللہ کا کلمہ باقی ہے تو حضور کی رسالت حقیقی بھی باقی۔ محمد رسول اللہ ختم ہو گا نہیں تو رسالت حقیقی بھی ختم ہو گی نہیں۔ رسالت حقیقی وہ رسالت ہے کہ جس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور جس پر ہم ایمان لائے اگر رسالت

حقیقی کے منکر ہو جائیں تو ہمارا ایمان ابو بکر صدیق والا ہو نہیں سکتا اور گر ایمان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ ہو تو مدعی رسالت کو موقع مل جائے گا کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ حضور کی رسالت حقیقی باقی نہیں رہی لہٰذا رسالت حقیقی میرے لیے ثابت ہے۔ مگر حضور خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی آئے گا نہیں۔ لہٰذا رسالت حقیقی ختم ہو گی نہیں۔ اور جب رسالت حقیقی باقی ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے آقا جسم مع الروح زندہ ہیں اگر یوں نہ سمجھیں تو رسالت میں فرق آ جائے گا باقی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت حقیقی میں بات یہ ہے کہ نفس نبوت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان کے زمانہ مختلف اور مخاطب مختلف تھے تو زماں کا اور نبوت کا مختلف ہونا نفسِ نبوت میں خلل انداز نہیں۔ نبی کے مخاطب گروہ اور زمان مختلف ہو سکتے ہیں۔

باقی آیت "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمۡ مَّیِّتُوۡنَ" (پارہ: ۲۳، سورۂ زمر: ۳۰) میں موت کا معنی قبض روح ہے تو یہ واقعی ہے کیونکہ "کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ" (پارہ: ۱۷، سورۂ انبیاء: ۳۵) مگر روح اگرچہ باہر چلی گئی مگر آقا میں روحانیت باقی ہے۔ روح اور روحانیت میں فرق ہے۔ روحانیت کیفیت روح اور مفادِ روح اور حقیقتِ روح کا نام ہے تو ہو سکتا ہے کہ روح نہ ہو حیات ہو اور حیات ہو روح نہ ہو۔

وَاللّٰہُ قَادِرٌ عَلٰی اَنۡ یَّکُوۡنَ الرُّوۡحُ مَوۡجُوۡدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ آثَارُ الۡحَیَاۃِ

مثال: سکتہ کی بیماری

جیسے سکتہ، بیماری۔ روح ابھی تک وجود میں ہوتی ہے لیکن حیاۃ نہیں یعنی روح کے اثر تحرک وغیرہ یہ سب کچھ ختم ہو گئے۔ اور اسی طرح اللہ قادر ہے کہ روح موجود نہ ہو لیکن آثار حیات کے باقی رہیں۔

مثال: روح نہ ہو اور حیات ہو

جیسے قصہ استون حنانہ جو کہ آقا کے ہجر میں آہ وزاری کر رہا تھا اب اس میں روح موجود نہیں ہے مگر اس روح کے اثرات رونا پیٹنا یہ سب موجود ہیں۔ امام قسطلانی ونووی وامام حجر عسقلانی عمدۃ القاری فتح الباری فرماتے ہیں

وَاللّٰہُ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یَّکُوْنَ الْحَیَاۃُ قَائِمًا وَّلَمْ یَکُنْ الرُّوْحُ

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح قبض کی گئی مگر حیات باقی ہے استن حنانہ تو لکڑی کی مثال ہے مگر علامہ نووی اور امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور اور دلائل النبوۃ میں ہے کہ تین شخص تھے۔(۱) ابونعیم بن حراش۔(۲) ربعی بن حراث۔(۳) مسعود بن حراث۔ یہ تابعی تھے ربعی بن حراث نے کہا کہ جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ میں بہشتی ہوں یا دوزخی اتنے تک میں نہیں بولوں گا۔ اور باقی دو کہنے لگے کہ جب تک ہمیں اپنا دوزخی اور جنتی ہونا معلوم نہ ہوگا ہم ہنسیں گے نہیں۔ قسم ہو گئی بولنا ہنسا بند حتیٰ کہ مر گئے خبر نہ دے سکے جب غسال غسل دینے کے لیے آیا تو منہ سے کپڑا کفن اتار کر کہنے لگے کہ ہم بہشتی ہیں۔ اب روح موجود نہیں لیکن روحانیت اور آثار روح جاری ہیں۔

اسی طرح شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں بیان فرمایا ہے کہ ایک عورت جو بدکاری میں مشہور تھی اس کا انتقال ہو گیا فوت ہونے کے بعد غسالہ غسل دینے کے لیے آئی اور کہا کہ اے اللہ اسے بخش دے یہ تو بدکارہ تھی جب ہاتھ اس کو لگایا تو ہاتھ بالکل بند ہو گیا ہر چند کوشش کی کچھ نہ ہو سکا آخر الامر حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا اُن کی خدمت میں جا کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس غسالہ نے اس میت پر تہمت اور افتراء کیا لہٰذا وہ میت حدِ قذف لینا چاہتی ہے وہ اپنا حق طلب کرتی ہے جا کر غسالہ کو اسی (۸۰) کوڑے حد قذف کے مارو چنانچہ ایسا کیا گیا تو ہاتھ بالکل کھُل

گیا۔اب روح نہیں ہے مگر حیات موجود ہے۔

اور اسی شرح الصدور میں ہے کہ ایک شخص مردوں کے کفن چُرانے میں بہت مشہور تھا ایک نیک آدمی کا انتقال قریب ہوا تو اس نے اس کفن چور کو بلا کر کہا کہ تم میرا کفن نہ کھینچنا حتیٰ کہ اس کو راضی کر کے اس سے وعدہ لیا کہ کفن نہیں چرائے گا حتیٰ کہ اس کا انتقال ہوا تو کفن اندوز کو دوست کہنے لگے کہ فلاں آدمی مر گیا اس کا کفن بہترین ہے لہٰذا اس کو ضرور چراؤ تو اس نے کہا کہ میرا اس سے وعدہ ہے میں کفن نہیں چراؤں گا حتیٰ کہ اس کو گمراہ کر دیا اس نے کہا کہ اب کیا کروں انھوں نے کہا کہ جنازہ کے ساتھ چلے جاؤ وہاں قبر دیکھ لو شناخت کر کے شام کو چلا جانا حتیٰ کہ وہ جنازہ میں شریک ہوا قبر کا نشان وغیرہ دیکھ کر شام کو پہنچ گیا کفن کھینچنے لگا تو ہاتھ چمٹ گیا ہر چند کوشش کی مگر کچھ نہ ہوسکا تو آواز آئی کہ وعدہ کر کے خلاف کرتا ہے جنتی ہو کر جنتی کا کفن اُتارتا ہے تو اس نے کہا کیا وجہ میں تو بڑا چور بدمعاش، فاسق وفاجر ہوں جنتی کس طرح ہو گیا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ جو میرے جنازہ میں شامل ہو وہ بہشتی ہو جائے لہٰذا تو میرے جنازہ میں شامل تھا تو بہشتی ہے۔تو وہ شخص عبرت پذیر ہوا آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے حتیٰ کہ دل پر اتنا اثر ہوا کہ اسی وقت توبہ کی اور گناہوں سے استغفار کی۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

کنز العمال	جلد۴ صفحہ ۹۲، حدیث نمبر ۱۰۲۴۵	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

تو غور کرو کہ روح موجود نہیں ہے مگر روحانیت اور حیات موجود ہے۔

آپریشن کے آلات نہ ہوں اپریشن کرنے والا ماہر نہ ہو تو چیرنے کے بعد انسان ختم ہو جائے گا۔مگر حضور ﷺ کا شق صدر کیا گیا دل کا ٹکڑا باہر کیا گیا حالانکہ دل مصدرِ حیات ہے دل کی حرکت بند ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا مگر یہاں دل وجود سے بالکل

باہر کیا گیا تب بھی حیات باقی ہے روح باہر تھی مگر بدن زندہ تھا حیات برزخی اور دنیاوی کی ماہیت کا فرق نہیں ہے محض ظرفیت کا فرق ہے۔ مظروف ایک چیز ہے یعنی حیات ایک قسم ہے مگر وہ دنیا الگ ہے یہ دنیا الگ ہے۔

سوال اگر حیات دنیاوی اور برزخی میں کوئی فرق نہیں تو اس دنیا پر کھانا کھایا جاتا ہے ضروریاتِ بشری سب پورے کیے جاتے ہیں وہاں تو یہ نہیں معلوم ہوا اس حیات اور اُس حیات میں فرق ہے؟

جواب کوئی فرق نہیں محض اتنا ہے کہ باوجود ایک حیات کے مگر مظروف کے بدلنے سے لوازمات بدل جاتے ہیں جیسے حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ حیات ایک ہی ہے آسمانوں پر اس حیات سے موجود ہیں مگر لوازمات مختلف ہو گئے ہیں ضروریات بشری سے اتنا تعلق نہیں رہا ہے اسی طرح ماں کے پیٹ میں بچے ہوتے ہیں زندہ بھی ہوتے ہیں حیات بھی ایک ہے اور روح موجود ہے زندہ ہیں باوجود اس کے پھر بھی دنیاوی حیات جیسے لوازمات سے مستثنیٰ ہیں اور ان ضروریات کے محتاج نہیں

سوال جب انبیاء میں حیات باقی ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کتنے دن تک جب مسجد شریف کی تعمیر ہو رہی تھی عصا پر روح قبض ہونے کے بعد کھڑے رہے جب مسجد شریف کی تعمیر مکمل ہو گئی تو عصا کو دیمک نے اتنا کھایا کہ عصا ٹوٹ گیا حضرت سلیمان علیہ السلام زمین پر تشریف لائے یہ کیسی حیات تھی جس میں نہ حِس نہ حرکت؟

جواب حیات مستتر ہو جاتی ہے حس، دیکھنا، پینا، چلنا، پھرنا ہم سے مستتر۔ جو ہمارے ادراک سے دور ہے اس کی مثال جیسے کوئی شخص سو رہا ہے نیند میں خواب دیکھا کہ اب مدینہ شریف گیا اب جہاز پر سوار ہوا اب کعبہ شریف کا طواف کر رہا ہے اور صفا و مروہ کی سعی کر رہا ہے اور اب آبِ زم زم پی رہا ہے یہ سب کچھ ہو رہا ہے دیکھنے والا

نیند کرنے والے کو دیکھ رہا ہے کہ چار پائی پر سویا ہوا ہے نہ اس میں حس ہے نہ حرکت ہے حالانکہ وہ چل پھر رہا ہے پی رہا ہے مگر ہمارے ادراک سے مستتر ہے ہمارے سامنے اس کی حس یا حرکت ظاہر نہیں ہے۔

انبیاء جہان میں بطور خرقِ عادت ہوتے ہیں مستتر عادۃً ہوتے ہیں الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور میں امام جلال الدین سیوطی، شیخ ابوالعباس مُرسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میری نماز زندگی میں صرف ایک ہوتی ہے کہ حرم شریف میں نماز امامِ حرم کے پیچھے پڑھ رہا ہوں دیکھا کہ امامِ حرم کے آگے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور امام حرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید اور اتباع کر رہا ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع فرماتے ہیں اسی طرح امامِ حرم رکوع کرتا ہے اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کرتے ہیں تو امامِ حرم بھی اسی طرح سجدہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر فعل کی تقلید کرتا ہے مگر نظر نظر والوں کو آتا ہے ہر شخص نہیں دیکھ سکتا۔

؎ آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

اور "یُزَکِّیۡهِمۡ" میں تزکیہ مقتضی اتصال کا ہے جب تک پانی کپڑوں سے نہ ملے اور وجود سے نہ ملے کپڑے اور وجود کی پاکی حاصل نہیں ہوتی جب حضور ہمارے مُزکّی ہیں تو لازم ہے کہ اتصال ہو کیونکہ بغیر اتصال مزکی کے ساتھ مزکیٰ کے تزکیہ حاصل نہیں ہوتا۔

ایمان جلوۂ مصطفیٰ کا نام ہے کیونکہ "لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡهِ۔۔۔ الخ" محبت کہتے ہیں دل کی گہرائیوں میں آجانا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وَ احۡضُرۡ فِیۡ قَلۡبِكَ النَّبِیَّ وَ شَخۡصَهُ الۡکَرِیۡمَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

احیاء العلوم	جلد اول صفحہ ۱۵۱	مطبع عثمانیہ مصریہ

اپنے دل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی ذات کریم کو حاضر سمجھ۔

حدیث دربارۂ حسن

حدیث شریف میں ہے کہ حسن کی سات قسمیں ہیں:

(۱)لطافت ۔(۲)ملاحت ۔(۳)ضیاء۔(۴)نور۔

(۵)ظلمت ۔(۶)رِقت ۔(۷)دقت ۔

یہ ساتوں چیزیں مخلوقات کو تقسیم کر دی گئی ہیں ۔ لطافت جنت کو ملی ۔ ملاحت حوروں کو ۔ ضیاء سورج کو ۔نور چاند کو، ظلمت راتوں کو، رِقت پانی کو، دقت ہوا کو پھر جب عالم اصغر یعنی آدم وحواء پیدا ہوئے تو ان میں اللہ تعالیٰ نے ساتوں چیزیں جمع کر دیں یعنی ان کے روح کو لطافت عطا کی ۔ زبان کو ملاحت، چہرہ کو ضیاء، آنکھوں کو نور، بالوں کو ظلمت، دل کو رقت، اسرار کو دقت ۔اس لیے انسان ہر چیز سے افضل ہے۔

لطیفہ

ایک شخص امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں کچھ روپیہ اپنے گھر میں رکھ کو بھول گیا ہوں سخت ضرورت ہے یاد نہیں آتا کوئی تدبیر بتائیں ۔ امام صاحب نے فرمایا بھائی یہ مسئلہ فقہ کا نہیں ہے پھر مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ وہ شخص بولا یہ سچ ہے میں التجا کرتا ہوں امام صاحب نے کہا کہ اچھا تم آج ساری رات نماز پڑھو وہ شخص چلا گیا اور نماز پڑھنی شروع کر دی ۔اسی اثناء میں اسے روپے یاد آ گئے خوشی سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ کی تدبیر سے میرا کام ہو گیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ شیطان مردود کب گوارہ کر سکتا ہے کہ تو تمام رات نماز پڑھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(خدا کے سوا کسی کو نہ مان)

تقویۃ الایمان کا فتویٰ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو نہ مان خدا تعالیٰ کے تمام محبوب، نبی، ولی، صدیق اور صالح کوئی ماننے کے قابل نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ خدائے قدوس جو خالق و مالک ہے سمیع وبصیر ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی کو ماننا اس معبود حقیقی کی توہین ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک لڑکی کی شادی ہوئی تو اس کی والدہ نے اس کو نصیحت کی کہ بیٹی خاوند کا بڑا رُتبہ ہے وہ تیرا مالک مجازی ہے اس کا ہر حکم ماننا تجھ پر فرض ہے اس کے سوا کسی کو نہ ماننا۔ لڑکی خاوند کے گھر آئی تو والدہ کی بات اس کو اچھی طرح یاد تھی اس لیے شوہر کا بہت احترام کرتی تھی۔ ایک دن خاوند نے اس کو کہا کہ دیکھ یہ میرے والد محترم ہیں یہ میری والدہ مکرمہ ہیں یہ میرے چچا ہیں یہ میرے دادا ہیں ان کا احترام وادب بھی تجھ پر فرض ہے تو وہ کہنے لگی کہ میری والدہ نے کہا کہ خاوند کے سوا کسی کو نہ ماننا لہٰذا میں کسی کو نہیں جانتی تیرے سوا کسی کو ہرگز نہ مانوں گی اب بتایئے کہ وہ عورت کس قدر بے وقوف ہے والدہ کا کہنا بالکل حق ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ خاوند جس کے ادب و احترام کا حکم دے اس کا بھی ادب نہ کرنا بلکہ مطلب فقط یہ تھا کہ جس نظر سے خاوند کو دیکھنا چاہیے اس نظر سے کسی کو نہ دیکھنا۔ باقی جس کے ادب و احترام کا حکم دے تو ضرور بجالانا کیونکہ یہ بھی اس کی فرمانبرداری ہے۔ مگر اس نے اپنے خاوند کے حکم کے مطابق عزیزوں کا ادب نہ کیا تو اس نے اپنے خاوند کو نہ مانا بلاتشبیہ وتمثیل سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ جن مقدس ہستیوں کے ادب کرنے کا اس نے حکم دیا ہے ان کا بھی ادب نہ کیا جائے بلکہ خدا تعالیٰ کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ جن پاک بازوں کے ماننے کا اس نے حکم دیا ہے انھیں ضرور مانا جائے البتہ شرک نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ عبدیت کے تعلقات صرف ایک ہی ذات کے ساتھ قائم ہو سکتے ہیں جس کا نام پاک

اللہ رب العزت جل مجدہٗ ہے ہر شخص جانتا ہے کہ عورت کے جو تعلقات اپنے خاوند سے ہوتے ہیں اس میں کسی کی شرکت نہیں ہوسکتی بلا تشبیہ و تمثیل بندہ کے جو تعلق اپنے محبوبِ حقیقی کے ساتھ ہیں ان میں کسی کی شرکت نہیں ہوسکتی۔ مگر جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو منوایا ہے اگر اس طرح نہ مانا جائے تو اللہ کو بھی نہ مانا۔

بعض لوگ کہتے ہیں مصیبت کے وقت بندوں کے پاس جانا شرک ہے۔ خدا سے دعاء کرنی چاہیے۔ یہ صحیح ہے کہ خدا کے سوا کسی کو حقیقی مددگار جاننا کفر و شرک ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ محبوبانِ خدا کچھ نہیں کر سکتے دیکھو قیامت کے دن ایسی مصیبت ہوگی کہ دنیا کی مصیبتیں اس کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں مگر خدا کے بندے اس مصیبت کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور اپنی مصیبت کا حال بیان کریں گے تو حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے "اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ" غیر کی طرف جاؤ تقویۃ الایمان کے فتویٰ کے مطابق تو آدم علیہ السلام کو فرمانا چاہیے تھا کہ احمقو! آج تک تم شرک میں مبتلا رہے ہو اب قیامت کے دن بھی خدا یاد نہیں رہا اب بندوں کے پاس آتے ہو ہمارے پاس آنا تو شرک ہے۔ خدا کے پاس جاؤ مگر وہ غیر اللہ کا راستہ بتائیں گے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یہی کہیں گے کہ میرے غیر کی طرف جاؤ۔

بالآخر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ مقدس میں حاضر ہوں گے سرکار بھی یہ نہ فرمائیں گے کہ دنیا میں تم بزرگوں کے پاس جاتے رہے اور شرک کرتے رہے اب قیامت کے دن بھی بندوں کے پاس آتے ہو کیا تم نے تقویۃ الایمان کا فتویٰ نہیں سنا تھا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ میرا کیا اختیار ہے جاؤ خدا تعالیٰ

کی بارگاہ میں۔مگر قربان جایئے سرکار دوعالم ﷺ کی شان رحمت پر کہ فرمائیں گے "اَنَا لَهَا" یعنی اس کام کے لیے میں ہی ہوں۔

مجمع الزوائد	جلد ۱۰ صفحہ ۴۹۲	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بندے سب سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں کیوں نہ حاضر ہوئے اس لیے کہ اگر یہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی بارگاہ میں مصیبت کے وقت جانے کا جواز ہر نبی کی شریعت کے مطابق ثابت نہ ہوتا۔اب تمام انبیاء علیہم السلام کا اس امر پر اجماع ثابت ہوگیا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے پاس حاضر ہونا جائز ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر پہلی مرتبہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے پاس نہ جاتے تو ان کو یہ کس طرح معلوم ہوتا کہ یہ وہ کام ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی نبی نہیں کرسکتا بلکہ اس کام کو کرنے والے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں یعنی جو کام کوئی نہ کرسکے وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کر سکتے ہیں جس کو کسی در پر پناہ نہ ملے اسے دروازۂ محمدی پر پناہ ملتی ہے۔

طلاقِ ثلاثہ

اگر کسی نے اپنی زوجہ کو ایک وقت میں تین طلاقیں دے دیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گو اس نے خلاف سنت کیا مگر طلاقیں تینوں واقع ہو جائیں گی۔لیکن بعض اسے ایک طلاق سمجھتے ہیں اب دیکھو کہ احتیاط کس امر میں ہے اگر مطلقہ ثلاثہ سے رجوع کرلیا گیا تو جمہور علماء محدثین وائمہ اربعہ کے نزدیک وہ رجوع جائز نہ ہوا اور اگر رجوع نہ کیا گیا اور اس عورت نے بعد عدت کسی دوسرے سے نکاح کرلیا تو نکاح سب کے نزدیک جائز ہوا کیونکہ مجوزین رجوع بھی اسے ناجائز نہیں کہتے۔تو معلوم ہوا کہ امام صاحب میں احتیاط ہے۔

تلقیح ثمر یعنی پیوند لگانا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو کھجوروں میں قلم لگانے سے منع فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم قلم لگانا چھوڑ دو تو بہتر ہے تو صحابہ نے بمطابق فرمان قلم لگانا ترک کر دیا تو پھل بالکل نہ لگے اور جو کچھ لگے وہ نہایت خراب تھے۔ تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم نہ تھا۔ نیز آنحضرت سے معاذ اللہ خطا ہونا ممکن ہوا؟ شرح شفاء میں اس کی تشریح میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اس طرح منقول ہے کہ آنحضرت کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ جو تمام اُمت میں بہتر اور عالی مرتبہ رکھتے ہیں ان کی طرف اسباب نہ ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ تلقیح یعنی قلم لگانا پھلوں کی عمدگی اور کثرت کا سبب ہے تو سرکار نے اس سبب سے صحابہ کرام کی توجہ کو ہٹانے اور توکل کی تعلیم دینے کے لیے یہ فرمایا لیکن درخت چونکہ ہمیشہ سے تلقیح کے عادی تھے اس لیے پہلے سال اس کی ترک کا اثر درختوں پر ضرور ہونا تھا جس طرح کسی انسان کو ایسی چیز سے روکا جائے کہ جس کا وہ مدتوں سے عادی ہے تو ترکِ عادت سے اول ضرور تکلیف ہوگی۔ اور فراخ میں تغیر و انقلاب بھی پیدا ہوگا مگر آہستہ آہستہ مدت دراز میں طبیعت اپنی اصل حالت پر آ جائے گی۔ اسی طرح قلم نہ لگانے کی وجہ سے پہلے سال درختوں پر ترک عادت کا اثر ہوا۔ اور اُن میں اچھے کثیر پھل نہ آئے لیکن صحابہ کرام اگر دو چار یوم صبر کرتے تو درخت یقیناً اپنی اصلی حالت پر آ جاتے اور سرکار کے فرمان کے مطابق کثرت سے پھل اور عمدہ ہو جاتے اور تلقیح پر نظر رکھنے سے صحابہ کرام میں جو توکل کی کمی تھی وہ بھی پوری ہو جاتی لیکن صحابہ کرام کی نظر وہاں تک نہ پہنچی پہلے سال ہی گھبرا گئے اور آنحضرت کی بارگاہ میں شکایت کرنے لگے اور آنحضرت ان کی عجلت سے متاثر ہو کر بایں خیال کہ یہ حکم کسی فرض شرعی یا ضرورتِ دینیہ کے ماتحت نہ تھا۔ اُمور دنیا کے معاملہ میں اصلاح مدنظر تھی جواز روئے

شرع کوئی ضروری نہیں۔ اب مقام غور ہے کہ اس معاملہ میں آنحضرت کی لاعلمی یا خطا تو اس وقت ثابت ہوتی جب آپ کے ارشاد عالی پر صحابہ پوری طرح عمل کرتے اور پھر حسبِ فرمان عمدہ اور کثرت سے پھل نہ آتے۔ معلوم ہوا کہ پہلے سال پھلوں کا نہ آنا صحابہ کی جلد بازی کا نتیجہ تھا نہ آنحضرت کی لاعلمی اور خطا کا ثبوت۔ اگر صحابہ کرام مطابق فرمان عمل کرتے تو مقام توکل میں اضافہ ہوجاتا مگر انھوں نے عجلت پسند کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرکار نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

غصہ

غصہ ایک آگ کے شعلہ کی مانند ہے جو دوزخ کی آگ سے نکل کر انسان کے قلب تک پہنچ جاتی ہے اور چونکہ شیطان آگ سے بنا ہے اس لیے آدمی شیطان کی مانند ہوجاتا ہے اس لیے آنحضرت نے فرمایا زبردست وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ زبردست وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قادر رہے۔ اور حدودِ شرعیہ سے باہر نہ ہو۔ حضور ﷺ نے مزید فرمایا جب غصہ آئے تو "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم" پڑھ کیونکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر اگر غصہ ختم نہ ہو تو کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اگر بیٹھے ہو تو سو جاؤ کیونکہ اعمال کا بدلنا غصہ کو ساقط کرتا ہے۔ پھر حضور نے فرمایا اگر سکون نہ ہو تو وضوء کرو کیونکہ غصہ شیطان کی وجہ سے اور شیطان آگ کا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے غصہ ابن آدم میں مثل انگارہ کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غصہ آنے والے کی آنکھیں سُرخ اور گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کو غصہ کے گھونٹ سے کوئی گھونٹ پسند نہیں اللہ تعالیٰ غصہ پینے والے کے دل کو ایمان سے بھر دیتا ہے۔

نکتہ

؎ اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ مجھے لینا ہے لے لونگا محمد سے

وحدت اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان ہے اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" (پارہ:۳۰،سورۂ اخلاص)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ وہ اللہ ہے یکتا۔(البیان)

کے یہی معنی ہیں وحدت کی ضد کثرت ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ ورنہ کئی خدا ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے پاس وحدۃ ہی وحدۃ ہے۔ اب رہی کثرت تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" (پارہ:۳۰،سورۂ کوثر:۱)

ترجمہ (اے حبیب) بے شک ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا فرمائی۔(البیان)

اے محبوب کثرت ہم نے آپ کو عطا کر دی۔ اور ماسوے اللہ کثرت ہے اور وہ سب حضور کو عطا ہوئی اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ" مجھے زمین کی تمام کنجیاں دی گئی ہیں۔ اس واسطے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پارہ:۲۸، سورۂ حشر:۷)

ترجمہ اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں رُک جاؤ۔ (البیان)

نیز آنحضرت نے فرمایا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَ خَازِنٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ

ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں خازن اور تقسیم کرنے والا ہوں۔

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۴۳۹	مطبع اصح المطابع نور محمد کراچی

معلوم ہوا کہ ہر نعمت آنحضرت کی ذات مقدس سے ملتی ہے پس وحدۃ اللہ تعالیٰ کے پلے رہی اور کثرت آنحضرت کے تصرف میں اور یہ تصرف اللہ تعالیٰ کی عطا اور ان کے انعام سے ہے نہ ذاتی۔ واللہ اعلم واحکم بالصواب

تحسین یا توہین

تحسین وتوہین محاورہ پر موقوف ہے سچ جھوٹ پر نہیں ہر نبی کی قوم ان کو بشر کہہ کر کافر ہوئی یعنی اپنے جیسا بنایا۔ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی کا بنا ہوا کہہ کر کافر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نماز روزہ کی اتنی تاکید نہیں فرمائی جتنی کہ حضور کی تعظیم کے لیے فرمایا۔ سب سے بڑا فرض حضور کی تعظیم ہے۔ باقی فرائض اس کی فرع ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اپنے آواز کے بڑا ہونے کے خوف میں اپنے گھر بیٹھا رہنا۔ اسی طرح حضرت ثابت کا مشہور واقعہ۔ اور حکم ہوا کہ درِ دوست پر حاضر ہو کر آواز نہ دیں جب تک حضور باہر تشریف نہ لائیں۔ حضور کے گستاخوں کی خدا عقل لے لیتا ہے تاکہ توبہ کر کے سزا سے بچ نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کی وجہ سے بندے کو چھوڑ دے تو مالک ہے مگر حضور کے گستاخ کو چھوڑے تو ان کی محبوبیت میں فرق ہے۔ واللہ اعلم۔

بیان

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اور میرے آقا تمام مخلوق کے لیے راحم ہیں خواہ انسان وملائک ہوں، جمادات ونباتات ہوں، جسمانیات ونورانیات ہوں۔ لیکن راحم کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر چار باتیں ہوں۔ اوّل تو یہ کہ زندہ ہوں کیونکہ مردہ رحم نہیں کر سکتا۔ اگر معاذ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر کر مٹی ہو گئے تو راحم کیسے ہوئے اور دوسرا یہ کہ راحم حال بھی جانتا ہو جب تک حال نہ جانے گا رحم کیسے کرے گا۔ اب مثلاً میں کہوں کہ میرے اوپر رحم کرو اور بولتا کچھ نہیں خاموش بیٹھا ہوا ہوں تو ایمان سے کہیں کہ آپ کیسے رحم کرو گے جب تک میں یہ نہ کہوں کہ بھوکا ہوں یا پیاسا یا مریض ہوں۔ وہاں تک آپ رحم نہیں کر سکتے لہٰذا معلوم ہوا کہ میرے آقا

راحم ہیں لیکن راحم ہونے سے پہلے ہمارے حال سے واقف ہیں خدا کی قسم مجھے اپنا حال اتنا معلوم نہیں جتنا میرے آقا میرا حال جانتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ مرحوم تک رحمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی ہو جیسے ایک بے گناہ کو قید کیا گیا اب ہم جانتے ہیں کہ یہ بے گناہ ہے لیکن ہمیں اس کو چھڑانے کی قدرت اور اختیار نہیں تو اسے کیسے چھڑائیں گے۔

اب ثابت ہوا کہ عالم کا ہر ذرہ ذرہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرت و اختیار میں ہے اسی طرح چوتھی شرط یہ ہے کہ راحم قریب بھی ہو کیونکہ اگر قریب نہیں تو رحم کیسے کرے گا۔ مثلاً میرا کوئی قاتل ہے مجھے مارنے کے لیے آ رہا ہے اور ایک شخص میرا مخلص ہے لیکن مجھ سے دور ہے تو ایمان سے کہنا وہ مجھے کیسے بچا سکتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ عالم کے ذرہ ذرہ میں آقا کی روحانی اور نورانی تجلی موجود ہیں۔ جیسے سورج آسمان پر ہے لیکن اس کی شعاعیں ہر جگہ چھائی ہوتی ہیں اسی طرح میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے اندر بیٹھ کر ہر عالم کے ذرہ ذرہ میں شعاعیں پھیلا رہے ہیں اور یہی آپ کی تخلیق کا منشاء ہے کہ عالم میں فیض پہنچائیں اور ہماری تخلیق کا منشاء یہ ہے کہ معرفت حاصل کریں اور یہی مطلب ہوتا ہے اعراس کا کہ اس قسم کی غذا مجھے حاصل ہو جائے انسانیت کی نظر ان لوگوں نے پائی ہے دیتا سب کچھ اللہ لیکن دیتا اسی راستہ سے ہے۔ ولیوں کی رسائی رسول تک ہے اور رسول کی رسائی اللہ تک ہے مارنے والا یا زندہ کرنے والا اللہ ہے لیکن قرآن فرماتا ہے

”فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ“ (پارہ:۲۶، سورۂ محمد:۲۷)

ترجمہ تو کیا حال ہوگا جب فرشتے اُن کی جان نکالیں گے۔ (البیان)

اب ملائکہ کا فوت کرنا اللہ کا فوت کرنا ہوگا کیونکہ ان کا فوت کرنا باذن اللہ ہوتا ہے اور جو کام باذن اللہ ہو وہ غیر نہیں ہوا کرتا۔ اسی طرح جس وقت آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے منہ پر

کنکریاں ماریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (پارہ:۹،سورۂ انفال:۱۷)

ترجمہ: اور (اے محبوب) آپ نے (خاک) نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی۔(البیان)

مثال: آتشی شیشہ اور سیاہ کپڑا

آتشی شیشہ کو سُورج کے سامنے رکھو اور دوسری جانب سے سیاہ کپڑا رکھ دو تو کپڑا فوراً جل جائے گا اب بتاؤ کہ کپڑا کو کس نے جلایا ہے سورج نے جلایا یا شیشہ نے۔ اگر شیشہ نے جلایا تو شیشہ کو کپڑے کے اندر لپیٹ کر رکھ دو۔ ہزار برس رکھا رہے گا لیکن کبھی نہ جلائے گا اسے فقط سورج نے بھی نہیں جلایا کیونکہ اگر سورج جلاتا تو کپڑا کو دھوپ پر رکھو تمام دن رکھا رہے گا کبھی نہ جلے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ کس نے جلایا ہے جلایا تو سورج نے ہے مگر اس وقت جلایا جب کہ اس کی شعاعیں شیشہ سے گزری ہیں اسی طرح سب کچھ فیض دینے والا اللہ ہے مارنے والا اور زندہ کرنے والا "مُحْيِيْ" اور "مُمِيْت" وہی ہے سب شعاعیں خدا کی ہیں لیکن اولیاء کے سینوں سے گزر کر آتی ہیں لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ ان کی سیرت وطہارت وتقویٰ مطمع نظر قرار دیں۔

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾" (پارہ:۱۷،سورۂ انبیاء:۱۰۷)

یہ بیان کرنا کہ رحمۃ اللعالمین ہونا کس نوعیت سے ہے کماحقہٗ محال ہے مگر کچھ نہ کچھ بیان کرتا ہوں تا کہ میری رہبری ہو جاوے۔

رحمت کے معنی ہیں

رِقَّتُ الْقَلْبِ وَ الْعَطَافِ يَقْتَضِي التَّفَضُّلَ وَ الْاِحْسَانَ (بیضاوی ص:۲)

سوال اگر رحمت کے یہ معنی لیے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے لیے رحمت ثابت نہیں ہو سکتی حالانکہ اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے رحمٰن و رحیم ہونے کے کیا معنی ہوئے؟

جواب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے معنی انسان کی رحمت کے معنی میں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہماری عقل کے ادراک سے بلند و بالا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے معنی فقط مفہوم کے لیے ہیں رقتِ قلب مراد نہیں ہے اب آیت کا یہ معنی ہوا کہ بندوں کے حال کے موافق جو احسان وسخا ہے باری تعالیٰ کا وہی رحمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی شان کے لائق اور حال عبد کے موافق ہوتی ہے مثلاً مریض کو شفا دینا، مخلوق کو رزق دینا، گمراہ کو ہدایت دینا۔ ایمان کی نعمت سے سرفراز کرنا یہ تمام اس کی رحمت ہے مثلاً سانس کا نکلنا بھی ایک رحمت ہے۔

نکتہ بصورتِ لطیفہ

اگر کوئی کہے میں تجھے سو روپے دیتا ہوں آپ ایک گھنٹہ سانس نہ نکالیں تو بتاؤ وہ ایک سو روپیہ پسند کرے گا یا سانس نکالنا پسند کرے گا۔ اگر یہ ایک گھنٹہ سانس نہ نکالے تو فوراً مر جائے گا لہٰذا اُسے سانس نکالنا زیادہ پسند و محبوب ہوگا

نکتہ: جب یہ ثابت ہوا کہ ایمان کا عطا ہونا یا ہدایت پر آنا یا مخلوق کو رزق دینا یا مریض کو شفا کرنا یہ تمام اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس لیے فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔(البیان)

یہ جمیع انعامات میری رحمت کا ظہور ہے۔اگر حضور مریض کو شفا نہ دے سکیں، بھوکے کو رزق نہ دے سکیں اور گمراہ کو ہدایت نہ دے سکیں تو رحمت کا کوئی معنی نہ بنے گا۔اور اللہ تعالیٰ کا محبوب اکرم ﷺ کو راحم بنانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔کیونکہ دیکھو

مثال: مثلاً میں کسی غلام کو کہوں کہ فلاں کو کھلاؤ یا کپڑا پہناؤ یا پانی پلاؤ تو جب تک میں اُسے روٹی، پانی، کپڑے وغیرہ کا مالک نہ بناؤں گا وہ اوروں کو کیسے کھلائے گا، کیسے پلائے گا، کیسے پہنائے گا؟ کیونکہ جس کے پاس کھانا نہ ہو وہ اوروں کو کھلا نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے پاس کپڑا نہ ہو تو وہ اوروں کو پہنا نہیں سکتا۔

نتیجہ لہٰذا ثابت ہوا کہ جمیع اشیاء اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے زیر نگیں رکھی ہیں کیونکہ اگر آپ کے پاس رزق نہ ہو تو اوروں کو کھلائیں گے کیسے؟ کپڑے نہ ہوں تو پہنائیں گے کیسے؟ لہٰذا جو شخص آپ کو راحم مانتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو مالک مجازی اور مختار مانے ورنہ رحمت کا کوئی معنی نہ بنے گا۔

سوال آپ کی تقریر سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی سے الگ ہو کر محبوب کو مالک بنا دیا ہے؟

جواب یہ سوال اس وقت ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت و اختیار و مشیت سے منقطع کیا جائے اور یہ شرک ہے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور اختیار کو محبوب سے صادر فرماتا ہے۔اور کمال عبدیت بھی یہی ہے کہ بندہ سے جمال خداوندی اور جلالِ خداوندی ظاہر ہو۔اور سمع و بصر و تصرف و قدرت اسی کا مظہر ہو۔ شرک تو تب ہوگا جب کہ ہم اس کا کوئی مقابل ثابت کریں

نکتہ ضروری

ذرا غور سے دیکھو کہ تمام موجودات کے اندر خدا کا کمال اور قدرت کا اظہار ہے۔ اگر گل یا مشک وعطر سے قدرت کا اظہار اور کمال خداوندی نمودار ہو تو یہ شرک نہیں ہے۔ اگر عبد مقدس سے ظاہر ہو تو شرک کیسے ہو سکتا ہے۔ ذرا حدیث

"یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ"

بخاری شریف	جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ حدیث ۶۵۰۲	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

ملاحظہ ہو کہ یہ تو عوام عبد کا حال ہے اور جو عبدہٗ ورسولہٗ ہو اس کا کیا حال ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم وکمال اور سمیع وبصیر ہونے کے لیے حضور کی قدرت اور علم و کمال اور سمیع وبصیر اور صفات وجود دلیل ہے۔

نکتہ

رحمت کے اجزاء مختلف ہوتے ہیں ظلمت کے لیے نور، جہل کے لیے علم، بھوکے کے لیے روٹی، گمراہ کے لیے ہدایت اور یہ تمام آقا سے ظاہر ہیں اس لیے آپ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ یُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ

بخاری شریف	جلد اول صفحہ ۴۳۹	مطبع اصح المطابع نور محمد کراچی

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" اس آیت کی تفسیر اس آیت کے تحت گزر چکی ہے۔ "وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ" حررہٗ محمد عبد الغفور الوری غفرلہٗ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔(البیان)

اعراس اوران کی نورانی محفلوں کا انعقاد اس لیے کیا جاتا ہے کہ روحانی غذا میسر ہو جائے جو شخص دین کی تلاش میں ہو اور نورانی زندگی بسر کرنا چاہے تو اُن کے قدموں پر چلے انسان اگر چہ چوبیس گھنٹے دنیا میں مشغول رہتا ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے بار بار نماز کے لیے بلایا اور اپنی حاضری کا وقت بتایا اور دنیا سے نکال کر دین کی طرف بلایا۔ دنیا سے نکال کر دین میں لانا یہ دلیل اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے کہ میرا بندہ دین کی طرف مائل ہو اور یہ نورانی محفلیں بھی اس لیے منعقد کی جاتی ہیں کہ کسی طرح بندہ دین کی طرف مائل ہو جائے۔ ہماری جسمانی غذا تو یہی ہے کہ جس کے پیچھے ہم صبح وشام پڑے ہوئے ہیں اور روحانی غذا یہ ہے کہ کسی نورانی محفل میں روحانی ذکر کیا جائے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ انسانیت کس کا نام ہے؟ کیا فقط اس جسم کا نام انسان ہے اگر اس جسم کا نام انسان ہے تو جسم گھوڑے اور گدھے کا بھی ہے۔ لہٰذا اُن کو بھی انسان کہو کیونکہ وہ تو ہم زیادہ جسم رکھنے والے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جسم کا نام انسان نہیں اسی طرح قوۃِ جسمانیہ کا نام بھی انسان نہیں کیونکہ قوتِ جسمانیہ تو شیر کے اندر بھی بہت ہے لہٰذا اُس کو بھی انسان کہو۔ اسی طرح چیرا دستی کا نام بھی انسان نہیں اور محنت کا نام بھی انسان نہیں کیونکہ اگر محنت کا نام انسان ہوتا تو گدھا ہم سے زیادہ محنت کرتا ہے۔ لہٰذا اُس کا نام بھی انسان ہوتا۔ معلوم ہوا کہ انسانیت کسی اور چیز کا نام ہے دراصل انسانیت کا معنی ہے خدا کی اُنسیّت اور یہی معنی ہیں نسیان کے کیونکہ بھولنے والا اُس وقت بھولے گا جب کہ کسی دوسری طرف مائل ہو جائے گا۔ جیسے میں نماز پڑھ رہا ہوں تو نماز میں دوسری

طرف مائل ہوالہذا بھول گیا۔اسی طرح جوخدا کی طرف مائل ہوتا ہے ماسواء کو بھول جاتا ہے اور یہی ہے مرتبہ انسانیت کا اوراس مرتبہ کو اولیاء کرام نے حاصل کیا کہ ماسوے اللہ سب کچھ بھلا دیا اور انسانیت کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ چیرہ دستی و زندگی ، حیوانیت، بربریت انسانیت کا تقاضا نہیں ۔جس کے اندر خدا اور رسول کی محبت ہوتی ہے اسے کھانے پینے کی حاجت نہیں ہوتی سب کچھ چلا جائے تو چلا جائے مگر دامنِ محبوب نہ جائے ۔مگرآج کل ہم نے مسخری بنارکھی ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے ہم کو بچائے۔

اب میں اس بارے میں اتنا عرض کردیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق ہے یا نہ؟ یقیناً وہ خالق ہے۔ ہرایک انسان کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور ہم مخلوق ہیں اور خالق کا معنی ہے عدم سے وجود میں لانا۔ جب کوئی چیز بنائی جاتی ہے تو اُس کے بنانے کا مقصد ذہن میں ضرور ہوتا ہے جیسے آپ گھر بناتے ہو مگر خالق نہیں کیونکہ عدم سے وجود میں نہیں لا رہے اس لیے کہ اینٹیں وغیرہ پہلے سے موجود ہیں لیکن بنانے سے پہلے کوئی مقصد تمہارے ذہن میں ضروری ہوگا۔مثلاً غسل خانہ بنوار ہے ہو اور مقصد یہی ہے کہ اس جگہ غسل کریں گے۔ یا باورچی خانہ تیار کروار ہے ہو یا بارش کے زمانہ میں بارش سے محفوظ رہنے کے لیے کوئی مکان بنوار ہے ہو یا بیٹھک بنوار ہے غرض کہ جو کام کروگے اس سے پہلے کوئی مقصد ضرور ہوگا۔ کپڑا خرید کرتے ہو اس سے مقصد ہوتا ہے کہ اوپر سے اوڑھنا یا گلے میں پہننا یا دستار بنانا۔اسی طرح جوتا خریدا کرتے ہو تو اس سے کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے تو بتاؤ کہ 18 ہزار عالم اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں کیا اس سے کچھ مقصد ہے یا نہ؟ تمام معدنیات وجدانیات نورانیات جسمانیات لطیفات کثیفات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو اس سے کوئی فائدہ تو ضرور ہوگا کیونکہ جو چیز بے فائدہ ہوتی ہے عبث ہوتی ہے ۔اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے ۔اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا کیونکہ فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ اللہ تعالیٰ خالق

ہے اور ہم مخلوق وہ قدیم ہے اور ہم حادث وہ واجب ہے ہم ممکن وہ فیض دینے والا ہے اور ہم فیض لینے والے ہیں۔ اور فیض لینے والے میں کوئی مناسبت ضرور ہونی چاہیے تو ظاہر ہے کہ ہم بلا واسطہ تو کوئی چیز لے نہیں سکتے کیونکہ ہمیں حدوث کی زنگ نے گھیرا ہوا ہے لہٰذا وسیلہ جلیلہ ضرور ہونا چاہیے۔ اس وسیلہ جلیلہ اور مناسبت اور سفیر کا نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔ (البیان)

آپ کے پیدا کرنے سے پہلے مقصد یہ تھا کہ جمیع عالم کے لیے رحمت بنایا جائے گا عالم کے تین اجزاء ہیں۔ (۱) وجودِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) انسان کا وجود (۳) عام کائنات۔

اب ہر ایک کے پیدا ہونے کا مقصد اور فائدہ دیکھنا چاہیے کیونکہ بلا فائدہ کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (پارہ:۱، سورۂ بقرہ:۲۹)

ترجمہ (اللہ) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے زمین کی سب چیزوں کو (البیان)

یعنی جو کچھ دنیا میں ہے تمام کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ آگ ہو پانی ہو درخت ہو پرندے ہوں درندے ہوں غرضیکہ عالم کا ہر ہر ذرہ انسان کے لیے پیدا کیا گیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (پارہ:۲۵ سورۂ جاثیہ:۱۳)

ترجمہ اور اُس نے تمہارے کام میں لگا دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں، سب کو اپنی طرف سے۔ (البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس نے تمام زمین والوں کو انسان کے تابع کر دیا۔ اب

پتہ چلا کہ انسان تمام کا مخدوم ہے اور تمام اس کے پیچھے چلنے والے ہیں۔لیکن واسطہ بلا واسطہ کا فرق ضرور ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کی عزت اور مراتب کی طرف نگاہ کی جاتی ہے جب یہ ثابت ہوا کہ تمام اشیاء انسان کی خادم اور انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں تو ذرا سوچنا چاہیے کہ انسان کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝۵۶ (پارہ:۲۷،سورۂ ذاریات:۵۶)

ترجمہ اور میں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (البیان)

یعنی تمام اشیاء تیرے لیے اور اے انسان تو میرے لیے پیدا ہوا ہے۔سونا چاندی دولت تمام تیرے لیے ہیں اور تو میرے لیے ہے لہٰذا میرا قرب اور میری معرفت حاصل کرو۔تمام اشیاء تمہارے پیچھے دوڑیں اور تو میری طرف دوڑ۔

لیکن اللہ اکبر آج معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔معلوم ہوا کہ انسان وہ ہے کہ جس کے پیچھے تمام اشیاء دوڑیں اور وہ بارگاہ الٰہی کی طرف دوڑے۔تمام اشیاء کا رُخ انسان کی طرف ہوا اور انسان کا رُخ اللہ کی طرف ہو۔اگر کوئی کہے کہ یہ تمام ہمارے خادم ہیں تو ہمیں تکلیف کیوں پہنچاتے ہیں؟ مثلاً ہوا آئی اور ایسی سخت آئی کہ کئی مکان گرا دیے۔اب اگر ہم اس کو کہیں گے کہ ذرہ رحم کر تو وہ بات نہیں مانتی۔اسی طرح اگر دریا کو کہیں کہ راستہ دے تو وہ راستہ نہیں دیتا۔ہم قدم رکھیں گے تو غرق ہو جائیں گے۔اگر آگ لگ جائے تو ہم اُسے بار بار رُوکیں تو وہ کبھی نہ رُکے گی۔تمام کو جلا کر راکھ بنا دے گی۔اسی طرح زمین کے اندر زلزلہ آیا وہ ہلنے لگ گئی تو ہم نے بہت کچھ چیخا لیکن وہ ایک نہیں مانتی۔اسی طرح ہم سفر پر جاتے ہیں اور گرمی بہت ہے تو ہم نے سورج سے کہا کہ گرمی تھوڑی کر دے تا کہ سفر آسانی سے ہو جائے تو وہ کچھ رحم نہیں کھاتا۔اگر یہ خادم ہیں تو بات کیوں

نہیں مانتے کیونکہ خادم پر حق ہے کہ سردار کا حق مانیں؟
تو میں یہ کہوں گا کہ بالکل ٹھیک ہے تمام ہمارے ہیں لیکن ہم بھی کسی کے لیے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" تو میرا ہو جا اور سب کچھ تیرے ہو جائیں۔ یہ ہوا اور آگ اور پانی وغیرہ ہمارا کہا نہیں مانتے لیکن ہم بھی کسی کا حکم نہیں مانتے۔ جس قدر تم اللہ کا حکم مانو گے اُسی قدر یہ تمام تیرا حکم مانیں گے۔ جس قدر تو باغی ہوگا اُتنا مخلوق تجھ سے باغی ہوگی۔ اسی طرح جس نے خدا کو نہیں مانا اُس کو کسی نے نہیں مانا۔ غرض کہ بندہ جتنا مطیع ہوگا خلق اُتنی مطیع ہوگی۔ کائنات کا ہر ہر ذرہ ادراک رکھتا ہے حتیٰ کہ جو درخت کے پتے ہیں وہ بھی ادراک رکھتے ہیں۔ علامہ رومیؔ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کائنات کے ذرہ ذرہ کے اندر ادراک نہ ہوتا تو آگ نمرود اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان فرق نہ رکھتی۔ اور دریا فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تمیز نہ کرتا۔ جس وقت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پر آئے اور پیچھے دیکھا کہ دشمن کی فوج آ رہی ہے تو دریا نے فوراً راستہ دے دیا۔ بارہ راستے ہو گئے۔ اور ہر ایک قبیلہ ایک ایک راستہ سے گزرا۔ اور جب فرعون آیا تو بمع لشکر اُس کو غرق کر دیا کیونکہ وہ خدا کو نہ مانتا تھا۔ اس لیے پانی نے بھی اُسے نہ مانا۔ اور موسیٰ علیہ السلام انسان کامل اور اللہ تعالیٰ کے عبدِ مقدس تھے اس لیے اُن کو راستہ دے دیا۔ پانی بھی جانتا تھا کہ یہ محبوب اللہ ہیں اور یہ عدو اللہ ہیں۔ اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس کو غرق کرنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ لشکر سے علیحدہ ہو گئے اور ایک جنگل میں جا پڑے۔ جہاں درندے رہتے تھے تو آپ کے سامنے ایک شیر اذیت پہنچانے کے لیے آیا۔ تو آپ نے فرمایا

"یَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)"

ترجمہ یعنی اے ابا الحارث تجھے پتہ نہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غلام ہوں۔

مشکوٰۃ شریف	جلد ۴ صفحہ ۴۰۰ حدیث ۵۹۴۹	مطبع دارالکتب العلمیہ بیروت

توفوراً شیر قدموں پر گر گیا۔ اسی طرح مدینہ کے اندر ایک دفعہ زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگ گئی۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زمین کو کوڑا مارا تو زمین کا ہلنا ختم ہو گیا۔ اور آج تک کبھی نہیں ہلی۔

"مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ"

کشف الخفاء	جلد ۲ صفحہ ۲۴۳	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

اگر آج ہم اولیاء کے کمالات بیان کریں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ شرک ہے اگر تو اسلام کا تصور بھی قائم نہیں ہوسکتا۔ ہارون الرشید اپنی لونڈی سودہ سیاہ رنگ کے ساتھ میلان رکھتا تھا۔ تو لوگوں نے شور مچا دیا کہ دیکھو بادشاہ ہو کر ایک سیاہ لونڈی کی طرف مائل ہے۔ تو ہارون الرشید نے ایک دفعہ محفل منعقد کی۔ جب تمام خادم اور وزراء جمع ہو گئے تو ارشاد کیا کہ جو جس چیز کے ساتھ محبت رکھتا ہو اس کو لے جائے۔ تو کسی نے چاندی کو لیا اور کسی نے سونے کو، کسی نے گھوڑے کو غرض کہ ہر ایک شخص جو جس کے ساتھ محبت رکھتا تھا اُس کو اُٹھا کر ساتھ لے گیا مگر وہ لونڈی خاموش ہو کر کھڑی ہوئی ہے تو بادشاہ نے کہا تو کیوں کھڑی ہے؟ ہر ایک سونا چاندی اُٹھا رہا ہے لہٰذا تو بھی سونا چاندی اُٹھا کر لے جا تو لونڈی نے کہا کہ حضور اگر سچ پوچھتے ہو تو آپ سے زیادہ میرے لیے کوئی محبوب نہیں ہے لہٰذا آپ ہی میرے حصہ میں آجائیں۔ اب جس کا بادشاہ ہو گیا تو بادشاہی بھی اُس کی ہو جائے گی۔ اسی طرح جس کا خدا ہو گیا تو خدائی بھی اُسی کی ہو گئی۔ بندہ خدا کا بھی ہوسکتا ہے ذرا ہو کر تو دیکھو۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کے تصرفات وغیرہ برحق ہیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ یہ مجلس اس لیے منعقد کی جاتی ہے کہ روحانی غذا حاصل ہو جائے۔ جس کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت کی آگ پیدا ہو گئی تو گناہ نہیں رہتے تمام گناہوں کو آگ جلا دیتی ہے۔ آج ہم ان بزرگوں کا نام یاد کرتے ہیں لیکن سیرتوں کو بھلا بیٹھتے

ہیں حالانکہ جس طرح ان کا ذکر ہمارے لیے موجبِ برکت اور ضروری ہے اُسی طرح ان کی سیرتوں کو زندہ کرنا بھی ہم پر فرض ہے۔ان کا دل عشقِ خدا کا مخزن ومعدن ہوتا ہے۔اوران کا روح معرفت کا گہوارہ ہوتا ہے۔

رہ گئی رسمِ اذاں روح بلالی نہ رہی

اب ہم انتظار میں ہیں کہ کب حرارت ایمان پیدا ہوگی یہی کردار تھا اولیاءِ کرام کا بلکہ اس ہندوستان میں اسلام انھوں نے پھیلایا ہے۔اور ایسا اسلام پھیلایا ہے کہ اگر ہم ساری عمر تبلیغ کرتے رہیں تو اُن کے ایک سانس برابر نہیں ہو سکتے۔اب لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسلام مولویوں نے پھیلایا ہے لہٰذا اُن کے در پر جانا چاہیے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیاء کے وجود سے پھیلا ہے لہٰذا ہم مرجائیں گے لیکن اُن کا اعتقاد باقی رکھیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں سر دیا اور ہم نے یہ سمجھا کہ سرسرکشی کے لیے ہے۔حالانکہ یہ جھکنے کے لیے ہے اسی طرح دل دیا تو بغض وعداوت کے لیے نہیں دیا بلکہ محبت کے لیے دیا۔تاکہ یہ محبوب کی منزل کے لائق ہوجائیں۔اور یہی سیرت تھی ان حضرات کی اور انسان بھی وہی ہے جو خدا سے ملا ہو اور خدا کا ہو جائے۔

پھر کائنات بھی اُس کی ہوجائے گی۔اب اجمالاً میں نے سمیٹ کرآگے رکھ دیا ہے۔اگر تمام عمر میں اور کچھ پاؤ گے تو اُس کی تفصیل ہوگی اور کچھ نہ ہوگا۔اب ہمیں چاہیے کہ اپنی اصلاح کریں کیونکہ اصلاح معاشرہ، علم وعمل، تقویٰ وآزادی یہ تمام وجوہات ہیں جو ہمارے موجبِ صلاحیت ہیں۔ بلکہ بقائے ملک کے لیے بقائے ملت ضروری ہے۔ کیونکہ بقائے ملت ہمارے لیے سنگ بنیاد کا حکم رکھتی ہے۔اگر ہم نے غفلت کر دی تو ہم سے زیادہ کوئی قاصر نہ ہوگا۔اگر غفلت نہ کی تو ہم سے زیادہ کوئی بلند نہ ہوگا۔میں نے تین جملے عرض کیے تھے اور ان تینوں جملوں کے درمیان ربط دیتے ہوئے دو کہہ چکا ہوں اب فقط واسطہ کا ذکر باقی رہا۔اور اس واسطہ کی تخلیق کی حکمت ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔(البیان)

آپ کے بھیجنے کی حکمت رحمت تھی یہاں تک کہ درخت کی جڑوں اور زمین کے اندر جو کیڑے یا چیونٹی وغیرہ رہنے والے ہیں تمام کے لیے راحم ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ کے لیے بھی راحم ہیں۔

سوال اگر کوئی کہے کہ اگر آپ راحم تھے تو ابوجہل کو حصہ کیوں نہ ملا؟

جواب تو میں کہوں گا کہ اللہ رحمٰن ورحیم ہے یا نہ؟ اگر رحمٰن ورحیم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے کیوں نہ نوازا کیا اللہ سے اسے کچھ ملا یا نہ؟ اگر تم کہو کہ ملا تو میں کہوں گا وہی محبوب سے ملا۔ کیونکہ ممکن مخلوق ہے اور ممکن واجب سے نہیں لے سکتا جب تک کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور وہ واسطہ محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ سورج کی روشنائی بینا کو ملے گی اگر کوئی انکار کرے تو میں کہوں گا پہلے اپنا انکار ختم کرو، رحمت کا کیا قصور! چاند، سورج تارے، ہوا، پانی، حجر وشجر، جمادات، نباتات، حیوانات، جسمانیات، لطیفات، اور کثیفات غرضیکہ ہر ایک ذرہ عالم کا تسبیح پڑھنے والا ہے اور یہ نعمت اُن کو کہاں سے ملی اگر رحمت اور نورانیت وروحانیت حقائق کو چیرتے ہوئے جب تک اُن کے جڑوں تک نہ پہنچے یہ فیض انھیں کیسے ملے گا مگر رحمت ہر ایک کے لیے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً پیاس والے کے لیے رحمت یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی ہو نہ یہ کہ اُس کے آگے آگ رکھو۔ اور بیمار کے لیے رحمت یہ ہے کہ ڈاکٹر کو لاؤ نہ یہ کہ اُس کے آگے وکیل کھڑا کردو۔ اور مقدمہ کرنے والے کے لیے رحمت یہ ہے کہ وکیل کو بلاؤ نہ یہ کہ اُسے سیب وغیرہ کھلاؤ۔ اور مرنے کے بعد میت کے لیے

رحمت یہ ہے کہ جنازہ پڑھایا جائے نہ یہ کہ ڈاکٹر اور وکیل کو بلایا جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ رحمت ہر ایک کے لیے موافق ہوتی ہے۔

تقریر "عَبَسَ وَ تَوَلّٰی"

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ﴿۲﴾ وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ﴿۳﴾

ترجمہ (محبوب) چین بجبیں ہوئے اور (اُنھوں نے) منہ پھیرا اس بات پر کہ اُن کے پاس نابینا حاضر ہوا اور (چونکہ آپ نے توجہ ہی نہیں فرمائی اس لیے) آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرے۔ (البیان)

شانِ نزول

رسول اللہ ﷺ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت پر بڑے حریص تھے۔

حضور ﷺ کی انتہائی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح لوگ دین اسلام میں جوق در جوق داخل ہوں اور اسلام کی شوکت و رونق بڑھے ایک دفعہ متعدد سرداران قریش خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔ سرورِ عالم ﷺ ان کو تبلیغ فرمانے میں بڑی کوشش کے ساتھ مصروف و مشغول تھے۔ سرکار یہ چاہتے تھے کہ یہ سردار ایمان لے آئیں تو ان کی وجہ سے ان کے ماتحت لوگ نہایت آسانی سے مشرف باسلام ہو جائیں گے اور اس طرح سے دین متین کی شوکت بڑھ جائے گی اس خیال سے حضور نبی کریم ﷺ ان سردارانِ قریش کو بڑی جانفشانی اور نہایت تندہی سے تبلیغ فرما رہے تھے۔ اس اثناء حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ حاضرِ مجلس اقدس ہوئے اس وقت یہ مشرف باسلام نہ ہوئے تھے البتہ نور ایمان سے ان کا دل منور ہو چکا تھا۔ نجاست شرک دل سے دور ہو چکی تھی انوارِ تزکیہ نے ظلماتِ کفر کا ازالہ کر کے سویدائے قلب کو منور و مزکّٰی کر دیا تھا جس کی وجہ

سے اقرار لسان کر کے مشرف باسلام ہونے کے لیے بے چین تھے۔ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے ہی اِس بے چینی کا اظہار کرنے لگے اور قبل اِس کے کہ سرور عالم ﷺ کا سلسلۂ کلام مبارک ختم ہو گفتگو شروع کر دی۔ حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو اگر چہ ان کی بے چینی کی مظہر اور انوار تزکیہ پر مبنی تھی لیکن اس کے باوجود آدابِ مجلس کے خلاف اور حضور سید عالم ﷺ کے سلسلہ تبلیغ میں مخل بھی ضرور تھی یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مکتوم کے قلب کی وہ کیفیت مبارک جسے لے کر وہ مجلس اقدس میں حاضر ہوئے تھے سرکار ہی کا کرم تھا۔ حضور ﷺ ہادی ہیں قرآن میں فرمایا

وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ (پارہ:۲۵، سورۂ شوریٰ:۵۲)

ترجمہ اور (اے حبیب) بے شک آپ ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔ (البیان)

خالقِ ہدایت آپ نہیں بلکہ اللہ رب العزت خلق ہدایت فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا

"اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" (پارہ:۲۰، سورۂ قصص:۵۶)

ترجمہ بے شک آپ (اُسے) ہدایت یافتہ نہیں کرتے جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو۔ (البیان)

اے حبیب ﷺ آپ جس کے لیے چاہیں خَلق ہدایت نہیں فرما سکتے۔ (صاوی)

خلق ہدایت کا منصب حضور سید عالم ﷺ کے شایانِ شان نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جو لوگ علم الٰہی میں ہدایت پر آنے والے نہ تھے ان کے لیے خلق ہدایت بھی ناممکن تھا ایسی صورت میں وہ کسی طرح ہدایت پر نہ آ سکتے تھے کیونکہ ان کا ہدایت سے مشرف ہونا علمِ الٰہی کے خلاف تھا۔ بنا بریں حضور سید عالم ﷺ کے مناسب خلق ہدایت پر فائز ہونے کے باوجود اِن کفار کا ہدایت سے محروم رہنا بادی النظر میں سید عالم ﷺ پر الزام

کا موجب تھا۔ مثلاً منصب عدالت پر کسی کو فائز کر دیا جائے اور وہ عدل نہ کر سکے تو اس کی کمزوری اور نا اہلی ثابت ہو گی۔ اس لیے مولائے کریم جل مجدہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو منصب خلقِ ہدایت نہ دیا کہ جو لوگ علمِ الٰہی میں کافر ہیں اُن کے مشرف بہ ہدایت نہ ہونے سے محبوب ﷺ پر الزام نہ آئے گویا آیت کریمہ "اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ" میں فرمایا اے حبیب ﷺ خلق ہدایت جب تیرے ذمہ نہیں تو ہدایت قبول نہ کرنے والوں کو محروم عن الہدایت ہونے کا الزام بھی تجھ پر نہیں۔ کیونکہ جس کے ذمہ جو کام نہ ہو اُس کے انجام پذیر نہ ہونے سے اس پر عقلاً کوئی الزام عائد نہیں ہوتا لہٰذا اے میرے پیارے حبیب ﷺ کفار کا ہدایت پر نہ آنے کی وجہ سے آپ بالکل غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ کام آپ کے ذمہ نہیں۔ پس جو کام آپ کے ذمہ نہیں اُس کے پورا نہ ہونے سے آپ کی طرف کوئی نقص منسوب نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ

سوال کہ خالقِ ہدایت اللہ تعالیٰ ہے اور اس تقدیر پر جو لوگ ہدایت پر نہ آئے اُن کے ہدایت پر نہ آنے کی وجہ سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر الزام عائد ہوتا ہے تو اُس کا جواب: یہ ہے کہ خالق کا قیاس مخلوق پر کرنا جائز نہیں وہ قادر حکیم ہے جو لوگ ہدایت پر نہ آئے علمِ الٰہی میں وہ اُس کے اہل ہی نہ تھے۔ خَلقِ ہدایت اُن کے حق میں خلاف حکمت تھی۔ علاوہ ازیں ہمارے لیے ضروری نہیں کہ ہم اس کی تمام حکمتوں کو سمجھ سکیں۔ اس لیے فرمایا

"لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَ ہُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۲۳﴾" (پارہ ۱۷، سورۂ انبیاء: ۲۳)

ترجمہ اللہ سے نہیں پوچھا جا سکتا اُن کاموں کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور اُن سب سے باز پرس کی جائے گی۔ (البیان)

اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کے متعلق کسی کو سوال کرنے کا کوئی حق نہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک سے اس کے فعل کی بابت سوال کرنے کا حق ہے۔ الغرض یہ بات روزِ روشن کی طرح

واضح ہوگئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی ہیں اور ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال ہے پس حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ اپنے دل میں جو نورِ ہدایت لے کر آئے تھے وہ حسنِ مصطفیٰ کا جلوہ تھا اسی طرح لفظ "یُزَکّٰی" میں حضرت ابنِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے متعلق جس تزکیہ کا ذکر ہے اس کے جذبات جو ان کے قلب میں تھے وہ بھی حسنِ مصطفیٰ ہی کے جلوے تھے۔ اس لیے کہ "مُزَکّی" (پاک کرنے والے) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ (پارہ: ۴، سورۂ آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ جو تلاوت کرتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور انھیں پاک کرتا ہے۔ (البیان)

مختصر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جس قدر محاسن و مکارم حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ اپنے قلب میں لے کر حاضر بارگاہِ اقدس ہوئے تھے وہ سب حسنِ رسالت اور جمالِ محمدیت کے جلوے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ تبلیغ میں مصروف تھے اور سرکار کی خواہش تھی کہ اسلام کی بے پناہ اشاعت ہو۔ علاوہ ازیں تبلیغ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب خاص تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ (پارہ: ۶، سورۂ مائدہ: ۶۷)

ترجمہ اے رسول پہنچا دیجیے جو اُتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اپنے رب کا پیغام آپ نے نہ پہنچایا۔ (البیان)

یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اشاعت اسلام میں کوشش کرنا نعوذ باللہ ایسا کام نہیں جس کو نعوذ باللہ بُرا کہا جا سکے۔ اُس پر عتاب کیا جائے۔ نیز احکام الٰہی کی تبلیغ عینِ منصب رسالت ہے اس پر بھی عتاب ہونا ناممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبلیغ فرمانا رب کریم کا حکم بجالانا

اور اسی کا کام کرنا ہے لیکن رسول کریم ﷺ اپنے رب کا حکم بجا لانے اور اُس کا کام کرنے میں اس قدر مصروف ومشغول تھے کہ حضرت عبداللہ ابن مکتوب رضی اللہ عنہ کے دل میں جو انوارِ ہدایت اور جذبات تزکیہ کی شکل میں جلوہ ہائے حسن مصطفائی چمک رہے تھے ان کی طرف توجہ بھی نہ فرمائی اور اس امر کو ملحوظ بھی نہ فرمایا کہ میرے ہی حسن کے جلوے مجھ ہی سے ملنے کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ اُس وقت سرکار دو عالم ﷺ کا مطمع نظر اگر کچھ تھا تو صرف یہی کہ رب کریم جل مجدہٗ کے فرمانِ تبلیغ کی بجا آوری علی وجہ الاتم ہوجائے۔ اس خیال میں حضور سید عالم ﷺ نے تمام اُمورِ مذکورہ سے بے توجہی فرماتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مکتوم کی گفتگو کو جو واقعی آداب مجلس کے خلاف تھی اپنے رب کریم کے حکم کے بجالانے میں مخل سمجھا اور حضور ﷺ چین بجبیں ہوئے اور سرکار مدینہ ﷺ نے (اپنے جلوہ ہائے حسن اقدس سے) رُخ انور کو پھیر لیا۔ عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ بیٹھے بیٹھے چلے گئے۔ اس پر "عَبَسَ وَتَوَلّٰی" نازل ہوئی۔ اُدھر حضور ﷺ بھی تبلیغ سے فراغت فرما چکے تھے۔ آیت کریمہ نازل ہوتے ہی میرے اور کل جہاں کے آقا ﷺ حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "مَرْحَبًا بِكَ عَاتَبَنِیْ فِیْكَ رَبِّیْ" ان کو بلایا اپنی چادر مبارک بچھائی انھیں مشرف بہ اسلام فرمایا۔ اس تفصیل کے ساتھ شانِ نزول سن کر ادنیٰ عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب اس تمام واقعہ میں کوئی کام حکمِ خداوندی کے خلاف صادر نہیں ہوا تو عتاب کے کیا معنی؟ لیکن ظاہر عتاب ضرور ہے۔ اور اس کی وجہ اس کے سواء اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ مولائے کریم نے جب اپنے حبیب ﷺ کو اپنے حکم کی تعمیل اور اپنے فرمان کی بجا آوری میں اس بلند ہمتی اور اُولوالعزمی کے ساتھ مشغول پایا کہ میرا پیارا حبیب میرا حکم بجالانے اور میرا کام کرنے میں اس تندہی کے ساتھ مشغول ہے کہ حسن مجسم ﷺ نے میرے کام کے بجالانے میں اپنے جلوہ ہائے حسن کو بھی نظر انداز فرما دیا تو محبت بھرا

خطاب بصورت عتاب نازل فرمایا۔ کہ اے پیارے حبیب ﷺ آپ نابینا کے آنے سے چین بجبیں ہوئے نابینا کا آنا چونکہ آپ کی تبلیغ فرمانے میں مخل تھا اس لیے آپ نے اُس کے اس پہلو پر توجہ فرمائی اور اُس کے دل میں جذبات، تزکیہ اور انوارِ ہدایت کی شکل میں آپ کے حسن اقدس کے جو جلوے چمک رہے تھے آپ نے اُن سے رُخ پھیر لیا۔

میرے پیارے آپ میرا کام چھوڑ دیتے اور اپنے جلوہ ہائے حسن سے اپنی توجہ سے محروم نہ فرماتے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کہ میرے کام کے مقابلہ اپنے جلوہ ہائے حسن کو نظر انداز فرما دیا۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے لیے ایک **مثال** عرض کرتا ہوں لیکن یہ یادرہے کہ اس مثال سے نعوذ باللہ تمثیل وتشبیہ ہرگز مقصود نہیں بلکہ نفیس مسئلہ کو ذہن نشین کرانا مطلوب ہے۔

ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ انتہائی محبت ہے اور اس کی بیوی اپنے خاوند کی پوری پوری فرمانبردار اور اطاعت گزار ہے۔ بیوی نے دیکھا کہ شدت گرمی کا وقت ہے میرا خاوند محنت مزدوری کر کے تھکا ماندہ آتا ہوگا اگرچہ علیل ہوں کمزور ہوں بخار میں مبتلا ہوں مگر اپنے خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری اور خدمت بجا آوری کا اقتضاء یہ ہے کہ اُس کے لیے کھانا پکاؤں، بستر بچھاؤں اور اس کے آرام وراحت کا سامان مہیا کروں یہ خیال کر کے وہ بستر علالت سے اُٹھی اور اُس نے بستر بچھایا اور تمام سامانِ راحت اپنے خاوند کے لیے مہیا کیا۔ کھانا پکانے کے لیے بیٹھی آگ جلا رہی تھی لکڑیاں جلنے میں نہیں آتیں وہ اپنی دھن میں چولہے میں پھونکیں مار رہی ہے اُس کی زلفیں خاک آلود ہو رہی ہیں بدن لرز رہا ہے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا ہے اس حالت میں اُس کا خاوند آجاتا ہے اپنی محبوبہ بیوی کو اس حال میں دیکھ کر نہایت سخت لہجہ میں چلا کر بولتا ہے کہ تو یہ کیا کر رہی ہے تجھے معلوم نہیں کہ تیری زلفیں خاک آلود ہو رہی ہیں تیرے کپڑے برباد ہو رہے

ہیں بدن لرز رہا ہے تجھے اپنی صورت اور تندرستی کا کچھ بھی خیال نہیں۔ تو نے یہ نہ دیکھا کہ تیرا کیا حال ہو رہا ہے۔ تجھے اپنی صحت کی پرواہ نہیں ہے نہ حسن جمال کی۔ تو میرا حق بجالانے میں اس قدر مصروف و مشغول ہے کہ اپنے حسن و جمال کی طرف تیری توجہ ہی نہیں تجھے چاہیے تھا کہ تو اپنے حسن وصورت کی طرف توجہ کرتی میرا کام چھوڑ دیتی۔

میں بازار سے کھانا کھالیتا یا ایک وقت بھوکا رہ جاتا ہے۔ یہ تمام گفتگو اگر چہ عتاب کا لہجہ رکھتی ہے مگر اہل عقل خوب جانتے ہیں کہ اس لہجۂ عتاب میں کس قدر عشق ومحبت کے سمندر موجزن ہیں۔ بلاتمثیل وتشبیہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو عتاب کے لہجہ میں ایسا محبت بھرا خطاب فرمایا جس کی لذت اہلِ محبت کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اِس زمانہ میں بعض بد باطن لوگ "عَبَسَ وَ تَوَلّٰی" کو جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور صبح وشام، شب وروز اس کام میں مشغول ہیں کہ "عَبَسَ وَ تَوَلّٰی" سے معاذ اللہ حضور ﷺ کا معتوب ہونا ثابت کریں جس سے شانِ اقدس میں توہین وتنقیص ہو۔

یاد رہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے اہلِ خلافت میں ایک امام کو صرف اسی بات پر قتل کر دیا تھا کہ وہ ہر نماز میں "عَبَسَ وَ تَوَلّٰی" پڑھتا تھا۔ امام مذکور کے اس طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس طرح "عَبَسَ وَ تَوَلّٰی" پڑھنا سرکار مدینہ ﷺ کے حق میں اُس کی بدعقیدگی پر مبنی ہے۔ بالکل وہی بد باطن اِس زمانہ کے منکرین کی تقریروں اور اندازِ گفتگو سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگر خلافتِ فاروقی کا عہد ہوتا تو یہ لوگ اسی سزا کے مستحق تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

مسئلہ وسیلہ

وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (پارہ:۲۶،سورۂ محمد:۳۸)

ترجمہ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم (سب اُس کے) محتاج ہو۔(البیان)

اللہ غنی ہے اور ہم سب فقیر اور وہ غنی ہمیں کوئی چیز بغیر وسیلہ نہیں دیتا۔ ماں باپ کے وسیلہ سے جسم، استاد کے ذریعے علم، پیر کے ذریعے ایمان، مال داروں کے ذریعے مال، فرشتہ کے ذریعہ شکل، ملک الموت کے ذریعے موت غرضیکہ کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں دیتا تو ہم فقیر ومحتاج۔ اگر ہم نے کوئی چیز بغیر وسیلہ اُس سے لیا تو ہم اُس سے بڑھ گئے دنیا ادنیٰ اور تھوڑی ہے آخرت اعلیٰ اور زیادہ ہے۔ جب دنیا حقیر بغیر وسیلہ کے نہیں مل سکتی تو آخرت جو دنیا سے اعلیٰ ہے بغیر وسیلہ کیوں کر مل سکتی ہے۔ اس لیے قرآن وایمان دینے کے لیے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

ہمارے اعمال کی مقبولیت مشکوک ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و اولیاء اللہ کی مقبولیت یقینی ہے۔ جب مشکوک اعمال وسیلہ بن سکتے ہیں تو یقینی مقبول بندے بدرجہ اولیٰ وسیلہ بن سکتے ہیں اعمال وسیلہ ہیں رب کے ملنے کا اور اعمال کا وسیلہ وانبیاء واولیاء وعلماء۔ تو یہ حضرات وسیلہ کے بھی وسیلہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے تین سو سال تک کعبہ میں بت رکھے رہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست اقدس سے پاک اور صاف کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کعبہ معظّمہ جو خدا کا گھر ہے وہ بھی بغیر وسیلۂ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک نہ ہو سکا تو ہمارے دل بغیر اُس کی ذات کریم کے ہرگز پاک نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔

(نکات)

(۱) " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " رسالت صفت ہے رسول کی، اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت بغیر موصوف کے نہیں پائی جاتی تو بعض نعرہ لگاتے ہیں کہ ختم نبوت زندہ باد۔ ارے وہ نبی کو معاذ اللہ مردہ مانیں اور نبوت کو زندہ مانیں، یہ کیا بے عقلی ہے حالانکہ نبی ہے تو نبوت ہے، رسول ہے تو رسالت ہے، عالم ہے تو علم ہے، حکیم ہے تو حکمت ہے۔ ثابت ہوا کہ جو کلمہ گو حضور کی رسالت کا قائل ہے وہ پہلے محمد رسول اللہ کو موجود زندہ مانے گا تو مسلمان کہلانے کا حق دار ہے ورنہ نہیں۔

(۲) بعض لوگ اولیاء وانبیاء کو مردہ کہتے ہیں کیا انھیں یہ علم نہیں کہ قرآن کہتا ہے

" مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا " (پارہ:۸، سورۂ انعام:۱۶۰)

ترجمہ جو ایک نیکی لائے تو اُس کے لیے اُس جیسی دس (نیکیاں) ہیں۔ (البیان)

جو ایک نیکی کرے اُس کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یعنی ایک کی بجائے دس ملتی ہیں بشرطیکہ نیکی راہِ خدا میں ہو۔ تو چونکہ جان راہِ خدا میں دینا اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ اس لیے بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں راہِ خدا میں جان دوں یعنی شہید ہو جاؤں پھر مجھے جان ملے پھر شہید ہو جاؤں تو پتہ چلا اللہ والے راہِ خدا میں جان دینے کے شائق ہوتے ہیں کیونکہ یہ اعلیٰ نیکی ہے تو کوئی کسی چیز کے پیچھے جان دیتا ہے تو کوئی کسی چیز کے پیچھے۔ اللہ والے رب کی راہ میں جان دیتے ہیں۔ جب ثابت ہو گیا کہ جان دینا راہِ خدا میں نیکی ہے تو قاعدہ مذکورہ کے تحت ایک جان کے بجائے دس ملیں تو ارے ایک جان والے کو تو تم زندہ مانو اور دس دس جانوں والوں کو مردہ مانو یہ کیا حماقت ہے؟ تو حال یہ ہے کہ جو جان بھی رب والے کو ملتی ہے وہ اُسے رب کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ پھر قاعدہ کے مطابق

جائیں ملتی جاتی ہیں وہ خرچ کرتا جاتا ہے۔اس کے مطابق اور ایسی ہستیوں کے متعلق ہے کہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کائنات کے بکھرے ہوئے جلوؤں کو سمیٹ کر انسان کو بنایا اور تمام انسانی جلوؤں کو سمیٹ کر انبیاء کو بنایا اور تمام انبیاء کے جلوؤں کو جمع کر کے جمالِ محمدی ﷺ کو بنایا۔تو نتیجہ یہ نکلا کہ مرکزِ تجلیاتِ الٰہیہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگر قرآن پاک کو بصیرت کے ساتھ پڑھا جائے تو مقام محمد ﷺ تب بآسانی معلوم ہوسکتا ہے لیکن آج کل ناآشنا لوگ قرآن کو ظاہر ہی سمجھتے ہیں اور ظاہر سے ہی پڑھتے ہیں جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ۔

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین دیو آدم را نبیند جز کہ طین
ظاہرے قرآں چو شخصے آدمیست کونقوشش ظاہر و جانش خفی است

(۴) اب اگر کوئی کہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اگر ہمارے قریب و پاس ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟

مثال: ہم کہیں گے کہ بتاؤ ایک شخص کے سر میں درد ہے وہ کہتا ہے کہ میرے سر میں درد ہے اب اگر اُسے کوئی کہے کہ اگر تیرے سر میں درد ہے تو بتاؤ کہاں ہے؟ مجھے بھی دکھاؤ۔ مجھے وہ نظر کیوں نہیں آتا؟ تو یقیناً وہ شخص اُس کو جواب دے گا کہ ہے تو قریب اور موجود لیکن اُسے وہی محسوس کرسکتا ہے جس کے پاس ہے درد۔تو یہ جو کہتا ہے کہ جو چیز قریب ہو وہ نظر آتی ہے۔تیرا قاعدہ غلط ہے۔ فرشتے قریب ہیں لیکن تمہیں کیوں نہیں نظر آتے؟ حضور کو آنکھ والے دیکھ سکتے ہیں۔سرکار غوث پاک واعظ فرما رہے تھے۔ دورانِ وعظ ایک مُرید کو نیند آ گئی تو وہ اپنی نیند میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہورہا تھا۔

(۵)اعتراض: اگر مسلمان حق پر ہیں اور ہدایت پر ہیں تو پھر آخر عمر تک یہ کیوں کہتے رہتے ہیں کہ " اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" یعنی الٰہی ہمیں سیدھا راہ دکھا۔ یعنی ہدایت دے۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ یہ گمراہ ہی ہوتے اور رہتے ہیں ساری عمر اِن کو راہِ راست ہی میسر نہ ہوا۔(ستیارتھ پرکاش)

جواب مقام باری تعالیٰ بہت برتر ہے اور خدا کے جلوے لامحدود تو ہدایت کے بہت درجے ہیں اور مؤمن جب خدا کا قرب حاصل کرتا ہے تو ہر مرحلہ پر جب وہ خدا کے جلوؤں میں عجب لذت پاتا ہے تو کہتا ہے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ"۔ (ہمیشہ) ہمیں سیدھی راہ چلا۔ اب چونکہ خدا کے جلوؤں کی حد نہیں جس مقام تک یہ مؤمن پہنچے گا اس کا اشتیاق بڑھے گا اور اس کو اور جلوے نظر آئیں گے لا الیٰ نہایہ۔ تو اب نہ اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کی حد اور نہ مؤمن کی طلب کی۔ لہٰذا یہ اعتراض غلط ہوا۔

خدا کی معرفت کے درجات لامتناہی ہیں اور معرفت کے بغیر انسانیت ناتمام۔ اور معرفت کے لیے وسیلہ ضروری ہے۔ تو نہ معرفت کے درجات کی انتہاء نہ ہماری طلب کی انتہاء۔ اگر یوں نہیں تو تم معرفت کے درجے ختم کر دو ہم طلبِ معرفت آخر عمر تک ترک کر دیں گے۔ لیکن نہ تم ان کی انتہاء ثابت کر سکو نہ ہم طلب چھوڑیں۔

(۶) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ہندو مذہب کے باہمن نے سوال کیا کہ خدا ہندو ہے یا مسلمان؟

جواب آپ نے کہا کہ خدا ہندو تو بالکل نہیں ہے کیونکہ اگر خدا ہندو ہوتا تو ہر روز ہزاروں کی تعداد میں گائیں ذبح ہوتی ہیں وہ ہرگز نہ ہونے دیتا وہ برہمن یہ سن کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ یہ ہے اللہ والے کی فراست۔

مطبع سعید اینڈ کمپنی کراچی	صفحہ ۹	کمالاتِ عزیز

(۷) حضور ہمارے پاس ہیں قول باری تعالیٰ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔۔۔ الآیۃ

(پارہ:۴،سورۂ آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ بے شک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اُس نے اُن میں عظمت والا رسول بھیجا۔(البیان)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول کو بھیج دیا تو احسان ہوتا ہے نعمت پر اگر نعمت نہ ہو تو احسان نہیں اور اگر نعمت دے کر کوئی اسے واپس لے لے تو بھی ہرگز منعم منعم علیہ کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ تجھ پر میرا احسان ہے تو احسان تب ہی ہوتا ہے جب کہ منعم علیہ کے پاس انعام موجود ہو۔ پس ثابت ہوا کہ خدا کے فرمان" لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔۔۔ الآیۃ" سے یہ پتہ چلا کہ ہر مؤمن کے پاس حضور کی ذات گرامی ہر وقت موجود ہے اگر کوئی یہ کہے کہ میرے پاس نہیں تو وہ سمجھ لے کہ مؤمن بھی نہیں اگر وہ اپنے آپ کو مؤمن سمجھتا ہے تو لامحالہ حضور بھی اس کی جان سے زیادہ اس کے قریب ہیں" اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ " (پارہ:۲۱،سورۂ احزاب:۶) (یہ نبی ایمان والوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں)

(۸) اعتراض: خداوند فرماتا ہے کہ" اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ "(پارہ:۲۰،سورۂ قصص:۵۶) یعنی اے حبیب جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اس سے ثابت ہوا کہ حضور ہدایت نہیں دے سکتے ہیں۔

جواب جناب اگر یہی بات ہے جو آپ نے سمجھی تو بتایئے کہ پھر رب نے انبیاء کو بھیجا کس مقصد کے لیے جب کہ وہ ہدایت ہی نہیں دے سکتے اور وہ کیا دینے آئے۔

حالانکہ خودرب فرماتا ہے" لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" کہ ہر قوم کے لیے ہادی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں کہ

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ (پارہ:۲۵،سورۂ شوریٰ:۵۲)

اب ان آیتوں سے پتہ چلا کہ نبی ہدایت دے سکتے ہیں اور پہلی آیت یہ کہ نہیں تو ثابت ہوا کہ پہلی آیت میں خَلق ہدایت کا انکار ہے یعنی آپ ہدایت پیدا نہیں کر سکتے پیدا کرنا خدا کا کام ہے اور پھر دینا آپ کا کام ہے۔ جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے" اَللّٰهُ يُعْطِيْ وَ اَنَا قَاسِمٌ" ثابت ہوا کہ جس کی ہدایت خدا نے پیدا فرمادی حضور نے اس کو دے دی اور جس کی نہیں کی اس کو نہیں دی۔ اب یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اگر آپ ہدایت دینے پر قادر تھے تو ابوجہل ابولہب جیسوں کو کیوں نہیں دے سکے۔ کوئی ہمیں ثابت کردے کہ خدا نے ابوجہل، ابولہب جیسوں کی ہدایت پیدا کی اور یہ ہرگز ثابت نہیں کر سکتا اور جب یہ ثابت نہ ہوا تو پتہ چلا کہ حضور ان کو ہدایت کہاں سے دیتے۔ فافہم، ورنہ حضور یقیناً یقیناً ہدایت دیتے ہیں۔

(۹) بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک کان میں اذان اور دوسرے میں تکبیر کہی جاتی ہے۔ اب وہاں اذان وتکبیر تو ہیں لیکن جماعت نہیں اور جب مرتا ہے تو اذان وتکبیر نہیں صرف جماعت ہے یہ ایسا کیوں ہے۔

جواب اس میں نکتہ یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو کہ اس کی دنیاوی زندگی صرف اتنی ہے کہ جیسے اذان وتکبیر ہو جائے تو جماعت تیار ہو۔ اب تکبیر کے اور جماعت کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ہوتا ہے ایسے ہی انسانی زندگی تھوڑی سی ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سفر پر جارہا تھا اور بھوک نے ستایا تو راستہ پر مجھے ایک تھیلی ملی تو میں خوش ہو گیا کہ کوئی کھانا ملا لیکن جس وقت اٹھا کر دیکھا تو دیناروں سے بھری ہوئی تھی تو دیکھ کر پھینک دیا کیونکہ بھوکے کو روٹی کی ضرورت ہوتی ہے دیناروں کو کیا کرے گا۔ تو معلوم ہوا ہے کہ رحمت ہر ایک کے موافق ہوتی ہے تمام کے لیے یکساں نہیں ہوتی۔ اور میرے آقا تمام مخلوق کے لیے راحم ہیں خواہ انسان و ملائک ہوں یا جمادات و نباتات ہوں جسمانیت و نورانیت ہوں لیکن راحم کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے اندر چار باتیں ہوں اول تو یہ کہ زندہ ہو۔

(علم غیب)

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔

"وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝" (پارہ: ۳۰، سورۃ تکویر: ۲۴)

ترجمہ اور وہ (نبی) غیب (بتانے) پر بخیل نہیں۔ (البیان)

(وہ) سے مراد اللہ تعالیٰ ہے؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ یا جبریل علیہ السلام؟ یا قرآن مجید؟ اگر اللہ تعالیٰ مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ غیب بتانے پر بخیل نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب بتاتا ہے۔ اس صورت میں بھی حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب عطا کیا جانا ثابت ہوا۔ اگر "هُوَ" سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں تو معنی یہ ہونگے کہ وہ یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب بتانے میں بخیل نہیں اس تقدیر پر بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوا۔ اس لیے کہ وہ غیب سے بے خبر نہیں تو اس کے بتانے میں بخل نہ کرنے کے کیا معنی؟ اگر "هُوَ" سے مراد جبریل علیہ السلام

ہوں (جن کا مراد لینا کسی طرح درست نہیں) تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جبریل علیہ السلام غیب بتانے پر بخیل نہیں۔ ظاہر ہے کہ جبریل علیہ السلام بجز نبی اور رسول کے کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔ الا ما شاء اللہ۔ لہٰذا جبریل علیہ السلام نے جب رسول کریم ﷺ کو غیب بتانے میں بخل نہ کیا تو قطعی طور پر حضور ﷺ کو علم غیب ہوا۔ اگر "ھُوَ" سے مراد قرآن کریم ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کریم غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا ہے جب قرآن علم غیب اپنے اندر رکھتا ہے تو بہرحال رسول کریم ﷺ کے لیے ثابت ہوا۔ الغرض آیہ کریمہ سے ہر طرح سرکار کا علمِ غیب ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(پارہ: ۳، سورۂ آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: (اے محبوب! اہلِ کتاب سے) فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ (البیان)

یہ جملہ شرطیہ ہے۔ جو شرط کا مبتداء ہوتا ہے جزاء کا منتہٰی وہی ہوتا ہے۔ مدعٰی کا جو مبداء ہوتا ہے دلیل کا وہی منتہیٰ ہوتا ہے۔ تو یہاں چاہیے تھا "فَاتَّبِعُوْنِیْ" کی جگہ "اَطِیْعُوا اللّٰهَ" ہوتا لیکن یہ نہیں کیونکہ محبت کا اصل و مرکز حسن کا مشاہدہ ہوتا ہے ملائکہ اور جنوں پر کوئی عاشق نہیں کیونکہ حسن کا مشاہدہ نہیں ہوتا ہے۔ خدا کا حسن تو موسیٰ بھی نہ دیکھ سکے۔ نیز "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ" (پارہ: ۷، سورۂ انعام: ۱۰۳) (نگاہیں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ احاطہ کیے ہوئے ہے سب نگاہوں کا اور وہی ہے ہر چیز کی باریکیوں اور مشکلات کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار) (البیان)

سوال یہاں "تُحِبُّوْنَ" کی جگہ "تُؤْمِنُوْنَ" کیوں نہیں فرمایا۔ حالانکہ ایمان لانے سے مؤمن بنتا ہے؟

جواب ایمان محبت ہے اور اصل ایمان محبت کا ہی نام ہے۔ محبت نہ ہو تو ایمان کا تصور ہو نہیں سکتا۔ محبت بغیر مشاہدۂ حسن کے ہوتی نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب بات میری ہے کہہ تو دے کیونکہ میرا خطاب تیرے بغیر کسی کی پہنچ میں نہیں۔ کہ اگر جلوۂ ہائے الوہیت کے حسن کا مشاہدہ کرنا ہے تو جمالِ محمدی کے آئینہ میں دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یَآاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا

(پارہ:٦،سورۂ نساء:١٧٤)

ترجمہ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مستحکم دلیل آ گئی اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور اُتارا۔ (البیان)

برہان وہ دلیل ہے جس سے بڑھ کر کوئی قوی دلیل نہ ہو۔ جس میں کوئی سقم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری برہان میرے حبیب ہیں۔ اور خدا کی برہان ہمیشہ زندہ ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی زندہ ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مردہ ہوں تو خدا کی برہان مردہ ہو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا۔ تو حضور بھی مردہ ہو نہیں سکتے۔ خدا نے فرمایا

"قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" (پارہ:٢٠،سورۂ نمل:٦٤)

ترجمہ فرما دیجیے اپنی کوئی پکّی سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (البیان)

کسی کے لیے ہونے پر برہان کی ضرورت ہوتی ہے۔

(امتناعِ نظیر) قسط اول

اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے شایانِ شان ہے اُس کی قدرت کے ماتحت ہے اُسی کو ممکن کہتے ہیں۔ اور جو چیز محال ہے یعنی نہیں ہو سکتی وہ اپنی ذات میں عیب دار اور ناقص ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ تحت قدرتِ باری تعالیٰ آسکے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ اس امر محال کا فی نفسہٖ خراب اور ناقص ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح پیشاب سے وُضوء نہیں ہوسکتا اس سے وضوء کرنے والے کا عجز ثابت نہیں ہوتا بلکہ پیشاب کا ناقص اور عیب دار ہونا ثابت ہوتا ہے کہ اس میں اس امر کی صلاحیت نہیں کہ اس سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کی جائے۔ جو باتیں شانِ الوہیت کے لائق نہیں اس کا تحتِ قدرت نہ ہونا عین کمال ہے۔ مثلاً اپنے جیسا معبود پیدا کرنا، اپنی ذات کو معاذ اللہ فناء کر دینا، اپنے لیے بیوی، اولاد، بھائی اور رشتے دار بنانا، اسی طرح جھوٹ بولنا، حضرت محمد عربی ﷺ کی نظیر پیدا کرنا، ان سب باتوں کے لیے ضروری ہے کہ تحتِ قدرت باری تعالیٰ نہ ہوں۔ ورنہ اس کی توحید، اس کی حیات، اس کا "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" اس کا صدق، اس کے حبیب کا خاتم النبیین ہونا، سب کی نفی ہو جائے گی حالانکہ ان تمام اُمور کا حق ہونا واجب اور ضروری ہے۔ نظیرِ محمد ﷺ اس کو کہا جاسکتا ہے جو وجود میں حضور ﷺ کی طرح تمام مخلوقات میں سب سے پہلے ہو اور بعثت دنیوی میں سب نبیوں کے بعد ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اب ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ کائنات کی پیدائش ہو چکی۔ اب اولیت ممکن نہیں اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام مبعوث ہو چکے جن میں سید عالم ﷺ بھی شامل ہیں۔ اگر کوئی نظیر محمد ﷺ فرض کیا جائے تو بہر حال ہمارے آقا و تاجدار، فداہ ابی و اُمی ﷺ کے بعد ہی ہوگا۔

ایسی صورت میں حضرت رسالتِ مآب ﷺ خاتم النبیین نہ رہیں گے کیونکہ آپ کے بعد آپ کا مثل نبی بن کر آئے گا۔ پس حضور ﷺ کا نظیر پیدا ہونا محال ہے۔ اپنی ذات میں ناقص ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ تحتِ قدرت ہو۔۔
اس کے علاوہ ہم دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے جس کی نظیر ممتنع بالذات ہو یا نہیں؟ اگر کہو قادر نہیں تو خود تمہارے قول کے مطابق نعوذ باللہ خدا عاجز ہوا اور اگر کہو کہ قادر ہے جھگڑا ختم ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے جس کی نظیر بالذات ہو تو اللہ کے حبیب ﷺ کو ممتنع نظیر ماننا کیسے محال ہوا؟ بہرنوع تاجدارِ مدنی ﷺ ممتنع النظیر ہیں۔ آپ جیسا پیدا نہیں ہوسکتا

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ دیکھ کر اہلِ عرب بولے
محمد دوسرا جہاں میں پیدا ہو نہیں سکتا

بلکہ حضور کا جس سے تعلق ہو گیا وہ بھی بے مثل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

"یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" (پارہ:۲۲، سورۃ احزاب:۳۲)

ترجمہ اے نبی کی (پاک) بیویو! تم عورتوں میں سے کسی کی مثل نہیں۔ (البیان)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی ازواج مطہرات کو دنیا کی ہر عورت کے مقابلہ بے مثل فرمایا۔ حالانکہ وہ عورتیں تھیں اور دنیا میں اور عورتیں بھی عورتیں تھیں مگر ازواجِ مصطفیٰ ﷺ کی کوئی مثل نہیں۔ کیوں؟
اس لیے کہ ان کا تعلق ہوا اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ سے۔ آپ چونکہ بے مثل ہیں اس لیے ان کی پاک بیویاں بھی بے مثل ہوئیں۔ پس آپ کے ساتھ جس کا تعلق ہو جائے وہ بھی بے مثل ہو جاتا ہے۔ کہ حضور ﷺ کسی کی مثل کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہاں ایک

سوال ہوسکتا ہے کہ جب حضور ﷺ سے تعلق رکھنے والا بے مثل ہو جاتا ہے تو ہم رسول کریم ﷺ کی اُمت ہونے کی وجہ سے حضور سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ہم بھی بے

مثل ہوئے۔اور حضور ﷺ بھی بے مثل ہوئے۔ یہ قاعدہ ہے کہ بے مثل بے مثل کی مثل ہوتا ہے اس لیے ہم حضور اکرم ﷺ کی مثل ہوئے؟

جواب حضور ﷺ جب ہر صفت میں بے مثل ہیں تو بے مثل ہونا بھی تو ایک صفت ہے۔اس میں بھی بے مثل ہوں گے یعنی حضور ﷺ کا بے مثل ہونا اپنے مرتبہ میں ہے اور حضور ﷺ کی اُمت یا دوسرے تعلق رکھنے والے اپنے مرتبہ میں بے مثل ہیں جس طرح قرآن مجید میں ارشاد فرمایا

"کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ "(پارہ:۴،سورۂ آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ تم بہترین اُمت ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئیں (البیان)

یعنی اے محبوب ﷺ کے غلامو! تم ایسی بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے واسطے نکالی گئی یعنی تم تمام اُمتوں میں بہترین اُمت ہو۔حضور اکرم ﷺ کی اُمت، اُمت ہونے میں تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں میں بے مثل ہے اور حضور علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام میں بے مثل ہیں۔حدیث پاک میں وارد ہوا کہ جب تک میں جنت میں نہ جاؤں اُس وقت تک کوئی جنت میں نہ جائے گا۔اور جب تک میری اُمت جنت میں نہ جائے گی اُس وقت تک کسی نبی کی اُمت جنت میں نہیں جائے گی۔اب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ سرور عالم ﷺ کا بے مثل ہونا اپنے رتبہ کے لائق ہے اور اُمت کا بے مثل ہونا اپنے رتبہ کے موافق ہے۔

امتناعِ نظیر قسط دوم

سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مثل اور نظیر محال بالذات ہے اور ممتنع ٹھہری ہے اس لیے کہ حضور ﷺ اوّل مخلوق اور آخر مبعوث ہیں۔اب اگر دوسرے محمد کا وجود فرض کریں تو وہ اوّل نہ ہوگا کیونکہ ابتداءِ خلق ہو چکی، جس کی واپسی عقلاً محال بالذات ہے۔

پس اگر دوسرا ہو بھی تو اوّل نہ ہوگا۔ جب اول نہ ہوا تو حضور ﷺ کی مثل بھی نہ ہوا۔

دوسرا یہ کہ دوسرے محمد کا وجود حضور ﷺ کی خاتمیت کے منافی ہے جس وقت بھی اُس کا وجود فرض کریں گے رسول کریم ﷺ کی خاتمیت کے عدم کو بھی ماننا پڑے گا۔ گویا دوسرے محمد کے وجود نے حضور اکرم ﷺ کے کمال خاتمیت کو ختم کر دیا۔ تو جو شخص اپنے مقابل کے کمال کو ختم کر دے وہ اُس کی مثل نہ ہوگا بلکہ افضل ہوگا اور افضل ہونا محال۔ لہٰذا دوسرے محمد کا وجود محال ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ دوسرا محمد جب حضرت نبی کریم ﷺ کے کمال خاتمیت کے منافی ٹھہرا تو اس سے معاذ اللہ کلام الٰہی کا کذب بھی لازم آیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کریم ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔ دوسرے کا وجود اس کلام کی تکذیب کا موجب ہوگا اور کلام الٰہی کی تکذیب محال ہے لہٰذا دوسرے محمد کا پیدا ہونا ہی محال ہے۔

"هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ"

(پارہ:۱۰، سورۂ توبہ: ۳۳)

ترجمہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اُسے غالب کر دے ہر دین پر۔ (البیان)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یافتہ اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا۔ بھیجنا مقتضی ہے کہ موجود پہلے تھے اگر پہلے موجود نہ ہوتے تو بھیجنے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کے روحِ مقدس

کو پیدا فرمایا اور وجودِ محمدی جمیع انوار کا نچوڑ اور معدن و مخزن ہے۔

عالم امثال سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ باھرہ سے آدم علیہ السلام کی پشت سے جمیع اولاد کو نکال کر سامنے کیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے جمیع اولاد کا مشاہدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" تو تمام نے جواب دیا "بَلٰی" یعنی بے شک تو ہمارا رب ہے۔ اب روح کو یاد ہے کہ میں نے یہ جواب دیا تھا۔ لیکن بوجہ کثافتِ بشریت معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم بشریت میں ایسے منہمک ہوئے کہ ان اصلی انوار کو بھول بیٹھے ورنہ حق تو یہ تھا کہ جمیع میلان ہوں بارگاہِ محمدی کی طرف۔ کیونکہ تمام حقائق اشیاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرع ہیں اور فرع برحق ہے۔ کہ اصل کی طرف میلان ہو

سوال اگر تمام اشیاء حضور کی فرع ہیں اور فرع اصل کی طرف میلان رکھتی ہے تو کفار نے حضور کی طرف میلان کیوں نہ کیا؟ بلکہ بجائے میلان ومحبت کے عداوت اختیار کی۔

جواب حق تو یہی تھا کہ کفار مائل ہوں لیکن ظلمتِ کفر حجاب بن گئی جیسا کہ بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۷ تا ۶۲۸ حدیث نمبر ۴۳۷۲ مطبع اصح المطابع کراچی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکوں کے سرداروں کو قید کر دیا جن میں ایک کو ستونِ مسجد کے ساتھ باندھا گیا اور سویرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس قیدی کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ تو اُس نے کہا جو حال پہلے تھا اب بھی وہی ہے یعنی جیسے پہلے ظلمتِ کفر حجاب تھی اب بھی باقی ہے۔ اگر قتل کرو تو کر دو اور معاف فرماؤ تو زہے شرف۔

تو آپ چلے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ تو پھر بھی اُس نے وہی جواب دیا۔ جو پہلے دیا تھا اسی طرح تیسرے دن تشریف لائے تو پھر بھی اُس نے وہی جواب دیا۔ حتیٰ کہ چوتھے دن بھی یہی جواب دیا۔ تو چوتھے دن آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو تو مطابق فرمان جب صحابہ نے اُس کو چھوڑا تو دور جا کر ایک باغ

کے ساتھ کنواں تھا اُس پر غسل کیا اور غسل کر کے حضور کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوا۔ اور مشرف باسلام ہوا۔ دیکھو صحابہ کو پتہ نہ چلا لیکن لاکھوں سلام نگاہِ نبوت پر کہ جن سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ جان لیا کہ اب اس کا قلب صفا ہے۔ کفر کا حجابِ ظلمت اُٹھ گیا ہے اور اُس نے کہا حضور معاذ اللہ آپ جیسا مبغوض میری نظر میں پہلے کوئی نہ تھا اب آپ جیسا محبوب میرے لیے کوئی نہیں۔ اور پہلے مدینے جیسا شہر مبغوض میری نظر میں کوئی نہ تھا اب اس جیسا محبوب شہر میرے لیے کوئی نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جب حجابِ ظلمت تھا تو بغض و کفر اور نفاق بھی تھا جب یہ حجاب اُٹھا تو قلب نورِ ایمان سے بھر گیا۔

سوال اگر حضور جمیع اشیاء کی اصل ہیں اور جمیع اشیاء کو حضور کی طرف میلان کرنا چاہیے تو معاذ اللہ تمام برائیاں اور ناپاک و نجس چیزیں حضور کی طرف منسوب ہو گئیں۔ کیونکہ جو چیز اصل اور جڑ میں ہوگی وہی فرع میں ہوگی لہٰذا یہ تمام خرابیاں اصل میں ہیں یا نہ؟ اگر اصل میں ہیں تو اس سے بڑھ کر نبی کی کیا توہین ہوگی؟ اگر اصل میں نہیں تو فرع میں کہاں سے آئی؟

جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عدم کی اصل مانتے ہیں یا وجود کی؟ اگر عدم کی اصل کہیں تو یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ عدم کی اصل عدم ہوگی لہٰذا ثابت ہوا کہ وجود ممکنات کی اصل ہیں نہ عدم کی اور کمال وجود ہے اور عیب عدم ہے۔ یوں سمجھو کہ کسی چیز کے ہونے کا نام کمال ہے اور نہ ہونے کا نام عیب ہے۔ پاکی کمال ہے اور ناپاکی عیب ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وجود اور طہارت کی اصل ہیں ناپاک کی اصل نہیں۔ عدل کمال ہے اور ظلم عیب ہے۔ میرے آقا کمال کے اصل ہیں نہ کہ عیب کے۔ لہٰذا کوئی عیب حضور کی طرف منسوب نہ ہوا اور اگر اصل یعنی جڑ کا بے عیب ہونا ثابت ہو جائے تو فرع کا عیب دار ہونا ان شاخوں کا عیب ہوگا۔ اصل کی طرف منسوب نہ ہوگا جیسے آم کی ایک شاخ سوکھی ہو جائے تو اس کا سوکھا

ہونا اس شاخ کا عیب ہے نہ اصل کا۔ اور اس کا سُوکھا ہونا اس لیے ہے کہ اس کا اصل سے انقطاعِ تعلق ہو گیا ہے۔ اگر اصل سے تعلق وابستہ ہوتا تو سُوکھی نہ ہوتی۔ حضور بے عیب ہیں کیونکہ آپ تو محمد ہیں اور محمد بے عیب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ عیب ہیں تو تمہارے ہیں۔ کیونکہ تمہارا صحیح تعلق نہیں ہے ورنہ میرے آقا تو یقیناً بے عیب ہیں دیکھو حضرت حسین علیہ السلام کا صبر اصل کا کمال تھا کیونکہ تعلق صحیح تھا اور یزید کا ظلم یزید کا عیب تھا کیونکہ یہاں تعلق نہیں فساد تھا۔ اسی طرح معصیت ہے تو معیوب کے اندر ہے میرا آقا تو ہرگز ہرگز معیوب نہیں۔ لہٰذا یہاں معصیت کا تصور بھی قائم نہیں ہو سکتا۔ رسول میں تین تصور ضرور قائم ہوتے ہیں۔

(۱) رسالت، (۲) مرسل (۳) مرسل الیہ۔

یہاں دو کا ذکر تو ہے لیکن تیسرا مرسل الیہ کا ذکر نہیں کیونکہ مرسل الیہ جمیع اشیاء ہیں بوجہ عام ہونے کے مرسل الیہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اگر ایک ایک کا ذکر کرتے تو دوسرا خارج ہو جاتا حالانکہ مطلوب و مقصود یہ تھا کہ اٹھارہ ہزار عالم محبوب کے دامن کے اندر ہیں۔ اور آپ جمیع کے لیے رسول بن کر آئے ہیں جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ﴿۱﴾

(پارہ:۱۸، سورۂ فرقان:۱)

ترجمہ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اُتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔ (البیان)

یعنی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد پر فرقان نازل کیا تاکہ جمیع عالم کے لیے ڈرانے والا ہو۔ اور حضور کا مبعوث ہونا بوجہ یاد دلانے اقرار کے تھا جو ازل میں دیا گیا تھا اور حضور نے سب سے پہلے "بَلٰی" کہا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"

عالمین میں جمیع عالم داخل ہیں خواہ عالمِ اجسام ہوں یا عالمِ روح، عالمِ امثال یا عالمِ خواب، یا عالمِ بیداری ہو، دنیا اور برزخ، جنت ہو، دوزخ ہو، اوّلین ہوں، آخرین ہوں، غرضیکہ تمام عالم کی طرف حضور رسول بن کر آئے۔

سوال عالمین کے اندر ذرہ ذرہ کو شامل کرنا تفسیروں کے خلاف ہے کیونکہ بیضاوی صفحہ ۸، اٹھا کر دیکھا کہ کسی نے فقط عالمین سے الناس مراد لیے ہیں، اور کسی نے ثقلین مراد لیا اور کسی نے ثقلین و ملائکہ مراد لیا۔ بہرنوع جمیع اشیاء کو عالمین کے اندر داخل کرنا خلاف ہوا؟

جواب آپ پر ہر وقت پڑھتے ہیں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"۔ تو کیا اللہ تعالیٰ جمیع عالم کے لیے رب ہے یا فقط ثقلین کے لیے رب ہے۔ جیسے یہاں تخصیص نہیں بلکہ رب العالمین میں جمیع عالم داخل ہیں اسی طرح رحمۃ اللعالمین میں بھی کوئی تخصیص نہیں جمیع عالم داخل ہیں۔

سوال اگر کوئی تخصیص نہیں تو مفسرین پر یہ بات کیوں مستور رہی اور کیوں تخصیص کیا۔ اُن کو تم جتنا علم نہ تھا؟

جواب سب سے افضل یہ تین گروہ ہیں جب ان کا بیان ہوا تو تبعاً جمیع کا بیان ہو گیا کیونکہ یہ تین گروہ اعلیٰ ہیں اور دیگر اولیٰ یہ متبوع ہیں اور دیگر تابع اور یہ مطلب نہیں کہ تخصیص مراد ہے ورنہ رب العالمین میں کیا جواب دو گے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کی رحمت ورسالت جمیع عالم کے لیے ہے۔

جیسا کہ مسلم شریف جلد اول صفحہ ۱۹۹ مطبع اصح المطابع کراچی میں ہے

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً

ترجمہ میں اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور دوسری حدیث میں ہے

لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یَعْرِفُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ

ترجمہ ہر چیز یہ جانتی ہے کہ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔

خصائص الکبریٰ	جلد ۲، صفحہ ۹۶	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت
دلائل النبوۃ ابونعیم	صفحہ ۲۲۷	مطبع المکتبۃ العصریہ بیروت

گوہ کا واقعہ ذرا نظر میں کہ جس وقت اعرابی گوہ لے کے آیا اور کہا کہ اگر تُو برحق رسول ہے تو یہ تیری گواہی دے کہ واقع ہی یہ رسول ہے۔ تو میں ایمان لے آؤں گا۔

حضور نے ارشاد فرمایا تو فوراً کلمہ طیبہ پڑھ کر رسالت کی شہادت دی۔ معلوم ہوا کہ گوہ بھی جانتی تھی کہ یہ میرا رسول ہے۔ اسی طرح پتھر کی کنکریوں نے بھی کلمہ پڑھ کر رسالت کی گواہی دی۔

اب ثابت ہو گیا کہ حضور جمیع اشیاء کے لیے رسول بن کے آئے ہیں۔ اور جب تک ہر شے کا تعلق رسول سے نہ ہو، رسول نہ ہو گا اور "کُلُّ شَیْءٍ یَعْرِفُنِیْ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ" صادق نہ ہو گا اور جب تک علم نہیں رسول نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک علم نہ ہو پیغام کیسے پہنچے گے۔ اسی طرح تصرف بھی ضروری ہے کیونکہ رسالت ایک عمل اور عمل تصرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علمی اور عملی تعلق ہر شے سے ہے اور ہر شے کے لیے عالم اور متصرف ہیں۔

سوال جنوں و انسان کے لیے تو ظاہر کہ حضور رسول بن کر آئے کیونکہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ کے احکام پہنچائے اور دریا اور پہاڑ اور حجر و شجر کے لیے کون سے احکام پہنچائے کہ اُن کے بھی رسول بن گئے؟

جواب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

”وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ“ (پارہ:۱۵،سورۂ اسراء:۴۴)

ترجمہ اور کوئی چیز نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔(البیان)

یعنی تمام اشیاء میری تسبیح پڑھتے ہیں اور تسبیح پڑھنے کا پیغام کس نے پہنچایا وہ ہمارے آقا ومولا نے پہنچایا۔لہٰذا جمیع اشیاء کے لیے رسول ہوئے۔کیونکہ جمیع اشیاء کی طرف تسبیح کا پیغام پہنچایا ہے۔رسالت ہر ایک کے لیے یکساں نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک کے لائق ہوا کرتی ہے۔جیسے ڈاکیا خط لاتا ہے اور تمام خطوط کا مضمون واحد نہیں ہوتا بلکہ مختلف ہوتا ہے کسی کے اندر کسی کے باپ کا حال ہے اور کسی کے اندر بیٹے کا ذکر۔غرضیکہ جو جیسا ہے پیغام ویسا ہے۔چاند،سورج،بادل اور تمام اشیاء جو نوع رکھتے ہیں اسی نوع کے احکام لائے دیکھو جہاد اُس پر فرض ہے جس کے لیے شرائط جہاد ہوں۔اسی طرح حج وزکوٰۃ اس پر فرض ہے جس پر شرائطِ حج وزکوٰۃ کے ہوں۔حالانکہ انسانیت میں تمام یکساں ہیں مگر احکام مختلف ہیں۔معلوم ہوا جو جس حال میں ہے ویسے ہی احکام ہوں گے۔

اب ثابت ہوا کہ ہر شخص کے لیے رسول کا علمی اور عملی رابطہ ضروری ہے کیونکہ رسالت کا آغاز علم ہے اور انجام عمل۔لہٰذا رسول کا عالم اور متصرف ہونا ضروری ہوا۔کیونکہ ہر ایک درخت کے پتوں کو اور پتھروں کو خبر ہے کہ یہ میرے آقا ہیں اور اللہ کے پیارے رسول ہیں مگر رسول کو علم نہ ہو تو یہ رسالت کیسے ہوگی؟ خدا معلوم لوگ رسالت کا کیا مفہوم سمجھتے ہیں۔

سوال اگر رسول کے لیے ہر شے کا علم ضروری ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہُد ہُد کی خبر کیوں نہ ہوئی ؟

جواب ہر ایک کا اپنا مذاق ہے تجھے بے علمی نظر آتی ہے ہمیں کمالِ علم نظر آتا ہے۔
کیونکہ مثلاً جس شخص کا سو کبوتر ہو اور وہ اپنے کبوتروں کو باہر نکالے ابھی تمام کے تمام باہر نہیں نکلے اور اس نے پہلے خبر دے دی کہ میرا ایک کبوتر گم ہے۔ تو بتاؤ کیا یہ کمالِ علم ہے یا کمالِ جہل؟ ہم دور ہیں اور حضور دور نہیں ہیں۔ ورنہ رابطہ کیسے ہوگا؟ دیکھو سورج ہم سے دور نہیں کیونکہ جو یہاں بیٹھا ہے وہ کہتا ہے کہ سورج میرے اوپر ہے اور ملتان یا لاہور اور کراچی بیٹھا ہے وہ کہتا ہے کہ سورج میرے اوپر ہے حالانکہ سورج تو ایک ہے مگر ہر جگہ یکساں ہے۔ لیکن ہم سورج سے دور ہیں یہ تو دنیائے سورج کا حال ہے اور ظاہر و باطن کا شمس اور جمیع حقائق اشیاء کا مبتداء ہے وہ کتنا نزدیک ہوگا۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ حضور سورج گرہن کے وقت نماز پڑھا رہے ہیں اور نماز پڑھاتے ہوئے آگے بڑھے تو صحابہ نے بعد از نماز اس کی وجہ پوچھی کہ نماز میں آپ نے آگے قدم اُٹھایا پھر پیچھے ہٹ گئے تو آپ نے فرمایا کہ دیوارِ قبلہ میں جنت اور دوزخ پیش کی گئی تو میں نے ارادہ فرمایا کہ جنت کے انگور توڑ لوں جس کو تم ہمیشہ تک کھاتے رہو گے پھر ارادہ کو ملتوی فرما کر پیچھے ہٹ گیا۔
یہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کی ایک صورت اور مثال پیش کی گئی۔ حقیقۃً جنت اور دوزخ نہ تھی؟
تو اس کا ہم جواب دیں گے کہ حقیقت ہمیشہ کسی صورت میں آتی ہے جیسا کہ آپ تشریف لائے بیٹھے ہیں تو بتاؤ کہ حقیقت گھر رکھ کر آئے ہو اور حقیقت نہ ہوتی تو حضور

نے کیوں چاہا کہ میں انگور توڑ لوں۔ کیا مثال کو کھایا جاتا ہے اگر کھایا جاتا ہے تو کاغذ پر انگور کی مثال کھینچی ہوتی ہے لہٰذا آپ اُس کو بھی کھائیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور نے دوزخ کی حرارت بھی محسوس کی۔ اگر حقیقت نہ ہوتی تو حرارت کیسے محسوس ہوئی؟ کیا مثال سے بھی حرارت محسوس ہوتی ہے؟ دنیا کی چیزوں کی صفت فناء ہے اور جنت کی چیزوں کی صفت بقاء ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ اگر میں توڑ لیتا تو ہمیشہ تک کھاتے رہتے۔

سوال اتنا جنت اور دوزخ کا بڑا ہونا کیسے ممکن ہے؟ کہ ایک دیوار میں آجائے؟

جواب اولاً تو یہ سمجھیے کہ دربان مصطفیٰ ﷺ اتنا بڑا وسیع کہ جس کا میں اندازہ نہیں لگا سکتا اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کثافت کی لطافت پر قادر ہے۔ جیسا کہ تم شیشہ دیکھتے ہو اور تمہارا وجود ایک چھوٹے شیشہ میں نظر آتا ہے اور تمہاری آنکھ جو بالکل چھوٹی ہے تمام اشیاء بڑی سے بڑی چیزوں کو دیکھتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جنت اور دوزخ کو ایک دیوار میں سما دے۔

سوال حضور ﷺ کو حرارت کیوں محسوس ہوئی کیا جلنے کا خوف تھا؟

جواب ہر ایک کا خیال ہے تم جلنے کا قول کرتے ہو اور میں یہ کہتا ہوں کہ بجھ جانے کا خوف تھا۔ اگر حضور آگے جاتے تو دوزخ کی آگ بجھ جاتی۔ اس لیے آپ پیچھے رہے کہ دشمنانِ نبوت و رسالت اس میں جائیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مؤمن جس وقت پُل صراط سے گزرے گا تو دوزخ کہے گی "جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَأَ نُوْرُكَ لَهَبِیْ"

ترجمہ اے مؤمن (پل صراط سے) گزر کیونکہ تیرے نور نے میری بھڑک کو بجھا دیا ہے۔

کنز العمال	جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۶ حدیث ۳۹۰۲۳	مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت

جب غلاموں کا یہ حال ہے کہ دوزخ بھی پناہ طلب کر رہی ہے اور بجھ جانے کے خوف سے فریاد کر رہی ہے تو آقا کا کیا حال ہوگا! اس بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور جمیع اشیاء کی حقیقتِ لطیفہ کے منبع و معدن ہیں اور ہر شے پر متصرف اور خبیر ہیں۔

هٰذَا مَا عِنْدِیْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَاَحْكَمُ بِالصَّوَابِ

محمد عبد الغفور الوری غفرلہ

مہتمم جامعہ مجددیہ فیاض العلوم

منڈی رائیونڈ لاہور پاکستان

دارالعلوم جامعہ محمدیہ فیاض العلوم رائیونڈ لاہور

کا

تعارف

ملک کے مشاہیر علماء اور دانشوروں کے قلم سے

ترتیب دہندہ

استاذ العلماء، شیخ الحدیث، حضرت علامہ

محمد عبد الغفور الوری

ناشر

دارالعلوم جامعہ محمدیہ فیاض العلوم رائیونڈ لاہور